الرسالہ
Al-Risala

February 1999 • No. 267 • Rs. 9

سب سے زیادہ نادان شخص وہ ہے جو نہ
ملنے والی چیز کی خاطر ملنے والی چیز کو بھی کھو دے۔

The Great Mosque, Damascus, completed in 715 A.D.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ
Al-Risāla

اردو، اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla
1, Nizamuddin West Market, Near DVB Office,
New Delhi-110013
Tel. 4626666, 4625454, 4611128
Fax 4697333, 4647980
e-mail: risala.islamic@axcess.net.in
website: http://www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 9
One year Rs. 100. Two years Rs. 195
Three years Rs. 290. Five years Rs. 480
Abroad: One year $ 10/£6 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info@ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel./Fax 718-2583435
e-mail: Kaleem@alrisala.org

Printed and published by Sanlyasnain Khan on behalf of
The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

فروری ۱۹۹۹ شمارہ نمبر ۲۶۷

فہرست — صفحہ

دین کے نام پر بے دینی	۴
توحید۔ انسانیت کی منزل	۶
ایک آزمائش	۲۰
خطرہ کہاں	۲۱
محتاط روش	۲۲
ہر قل کا واقعہ	۲۳
حضرت لبید	۲۴
سنت الٰہی	۲۵
ہندتو: حقیقت یا افسانہ	۲۸
شیطان کا فریب	۳۴
ایک انٹرویو	۳۹
سوال و جواب	۴۰
خبر نامہ اسلامی مرکز	۴۷

دین کے نام پر بے دینی

مدنی دور میں ایک بار ایک خلاف عادت واقعہ پیش آیا۔ اس کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تھا۔ اس واقعہ کو خود ساختہ مفہوم دے کر کچھ لوگوں نے ایک بیہودہ افسانہ بنایا۔ یہ لغو افسانہ فوراً ہی سارے مدینہ میں پھیل گیا۔ اپنے خیال میں وہ اشاعت حق کر رہے تھے مگر اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ صرف اشاعت باطل تھی۔ چنانچہ وہ کیفیت ہو گئی جس کو قرآن (النور ۱۵) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: جب کہ تم اس جھوٹ کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) یہ فتنہ صرف اس وقت ختم ہوا جب کہ سورہ النور اتری اور براہ راست آسمانی وحی کے ذریعہ اس کی تردید کر دی گئی۔

اس سلسلہ میں سورہ النور میں مسلمانوں کو کچھ ہدایات دی گئیں تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی مجرمانہ غلطی کا اعادہ نہ کریں۔ ان میں سے ایک خاص ہدایت یہ تھی۔۔۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی بابت خیر کا گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا بہتان ہے (النور ۱۲) اس کی تفسیر میں ابن کثیر نے لکھا ہے۔۔۔ یعنی اس بات کو وہ خود اپنے اوپر قیاس کرتے۔ پس اگر وہ خود ان کے لئے مناسب نہ تھا تو ام المومنین زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اس سے بری ہوں (تفسیر ابن کثیر ۳/۲۷۳)

جب کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان کے بارے میں کوئی بد گمانی پیدا ہو تو پہلے ہی مرحلہ میں یہ سوچ کر اس کو رد کر دینا چاہیے کہ کیا میں ایسا کر سکتا ہوں اور جب اس کا ضمیر یہ کہے کہ میں تو ایسا نہیں کروں گا تو اسی پر قیاس کر کے سمجھ لینا چاہیے کہ دوسرے مسلمان نے بھی یقیناً ایسا نہیں کیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مواقع پر ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون واقعی صاحب ایمان ہے اور کون ایمان کا صرف دعویدار ہے۔ کسی کے دین پر قائم ہونے کا ثبوت یہ نہیں ہے کہ وہ انقلاب خیر کا نعرہ لگاتا ہو۔ اس کا اصل ثبوت یہ ہے کہ وہ خود عملاً ظن خیر کے مذکورہ قرآنی اصول پر قائم ہو۔ انقلاب خیر کا نعرہ لگانا

صرف دین کے نام پر لیڈری ہے اور ظن خیر کے اصول پر خود قائم ہونا حقیقی معنوں میں دین خداوندی کی پیروی

حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ قصہ تذکیر القرآن یا تفسیر کی دوسری کتابوں میں سورہ النور کی تفسیر کے تحت دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں اس کی تفصیلات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ معروف طور پر مدینہ کی ایک باعزت خاتون تھیں۔ ان کی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں گزری تھی۔ مدینہ کے کچھ لوگوں نے آپ کے ایک واقعہ کو لے کر اس کو شوشہ بنایا اور اسے آپ کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کیا۔ مگر انھیں لوگوں نے کبھی یہ نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت عائشہ کی اعلیٰ دینی خدمات کا چرچا کریں۔ ان کی مجلسیں حضرت عائشہ کے تذکرہ سے اس طرح خالی تھیں جیسے کہ مدینہ میں نہ کوئی عائشہ ہیں اور نہ ان کی کوئی دینی خدمات۔

مگر جیسے ہی انھیں حضرت عائشہ کے بارہ میں ایک ایسی بات ملی جس کو خود ساختہ مفہوم دے کر وہ اس کو آپ کے خلاف استعمال کر سکیں تو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان کا پورا گروہ متحرک ہو گیا۔ اس نے اپنے تمام ذرائع کو استعمال کر کے اس جھوٹے قصہ کو پھیلایا۔ انھوں نے ایک ایک شخص کے کان میں اس کو ڈال کر اسے حضرت عائشہ سے بدگمان کرنے کی کوشش کی۔ حتی کہ پورے مدینہ کو ان کے خلاف بدگمانیوں اور افواہوں سے بھر دیا۔ اپنے خیال کے مطابق، یہ لوگ ایک "واقعہ" کی اشاعت کر رہے تھے مگر اللہ کے نزدیک وہ بدترین قسم کے مجرم تھے۔ ایسا کر کے وہ خدا کے دین کی کوئی خدمت نہیں کر رہے تھے بلکہ صرف شیطان کے مقصد کو پورا کر رہے تھے۔

ایک شخص جو اللہ کی پکڑ سے ڈرتا ہو، اس پر فرض کے درجہ میں لازم ہے کہ وہ حقائق کی بنیاد پر رائے قائم کرے نہ کہ شوشوں کی بنیاد پر۔ اگر کبھی کوئی غلط فہمی ہو جائے تو متعلقہ شخص سے مل کر اپنی غلط فہمی کو رفع کیا جائے نہ کہ اس کو حقیقت سمجھ کر اس کا عمومی چرچا کیا جانے لگے۔

اسی قسم کے کردار کا نام منافقانہ کردار ہے اور قرآن کے مطابق، منافقانہ کردار والے لوگوں کے لئے کافروں سے بھی زیادہ سخت سزا مقرر ہے، الّا یہ کہ وہ توبہ کریں اور کھلے طور پر اپنی مجرمانہ روش کا اقرار کر کے متعلقہ اشخاص سے معافی مانگیں۔

توحید۔ انسانیت کی منزل

توحید کا مطلب ایک خدا کو ماننا ہے اور اپنے سارے دل اور اپنے سارے دماغ کے ساتھ اس سے وابستہ ہو جانا ہے۔ یہی خدا انسانیت کی منزل ہے۔ اس دنیا میں وہی انسان کامیاب ہے جو ایک خدا کو اپنا سب کچھ بنالے۔ ہر انسان ایک نامکمل وجود ہے۔ خدا کے ساتھ وابستہ ہو کر وہ اپنے آپ کو مکمل کرتا ہے۔ خدا انسانیت کے تمام تقاضوں کی واحد تکمیل ہے۔

ہر انسان ایک روحانی تلاش میں ہے۔ ہر انسان اپنے لئے سکون و اعتماد کا ایک مرکز چاہتا ہے۔ یہ مرکز صرف ایک خدا ہے۔ خدا انسان کی روحانی تلاش کا واحد جواب ہے۔ جس انسان نے خدا کو پالیا، اس نے گویا وہ سب کچھ پالیا جس کو وہ اپنے فطری تقاضے کے تحت پانا چاہتا تھا۔

موجودہ دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے انسان کو ایک دستور حیات درکار ہے جو اس کو بتائے کہ لوگوں کے درمیان اس کو کس طرح رہنا ہے اور کس طرح نہیں رہنا ہے۔ جو اس کو زندگی کی گائڈ بک عطا کرے۔ انسان کی اس طلب کا ماخذ بھی خدا ہے۔ خدا ہی انسان کو وہ قابل اعتماد رہنمائی دیتا ہے جس کی مدد سے وہ روشنی اور اندھیرے میں یکساں طور پر درست سفر کر سکے۔

خدا انسان کا خالق اور مالک ہے۔ وہی اس کا حق دار ہے کہ وہ انسان کو بتائے کہ زندگی کیا ہے اور موت کیا ہے۔ انسانیت کا قافلہ کہاں سے شروع ہوا اور وہ کہاں جارہا ہے۔ وہ صحیح راستہ کیا ہے جس پر چل کر وہ بھٹکے بغیر منزل پر پہنچ سکے۔

ہر انسان کی سب سے پہلی اور سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ وہ اس خدا کو پائے، وہ اپنے آپ کو خدا سے وابستہ کرے، وہ اس سے محبت کا تعلق قائم کرے۔ وہ اپنی پوری زندگی کا رخ خدا کی طرف موڑ دے۔ خدا رخی زندگی (God oriented life) ہی اس دنیا کی واحد درست زندگی ہے۔ جو ایسی زندگی کو اپنائے وہی کامیاب ہے اور جو ایسا نہ کر سکے وہی محروم اور ناکامیاب۔

توحید اور شرک

قرآن خدا کی کتاب ہے۔ قرآن خدا کی مرضی کا مستند اعلان ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ انسان کے لئے کون سا راستہ فلاح کا راستہ ہے اور کون سا راستہ خسران کا راستہ۔ انسانی زندگی کے دستور کے لئے قرآن ہی واحد مستند ماخذ ہے۔ موجودہ دنیا میں انسان حالت امتحان میں ہے۔ یہ امتحان کس چیز میں ہے اسی کو بتانے کے لئے خدا نے قرآن اتارا۔

قرآن کے مطابق، شرک کا عقیدہ تمام انسانی برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے مقابلہ میں توحید کا عقیدہ تمام انسانی خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ قرآن میں واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ۔۔۔ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا طوفان باندھا۔ (النسآء۔ ۴۸)

توحید کی حقیقت

توحید کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے۔ یہ یقین کیا جائے کہ تمام طاقتیں اور ہر قسم کے اختیارات صرف ایک خدا کو حاصل ہیں۔ وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے۔ عبادت کی قسم کا کوئی بھی فعل خدا کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ خدا ہی انسان کی مرادیں اور حاجتیں پوری کرتا ہے۔ خدا ہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ برتری صرف ایک خدا کا حق ہے، کسی اور کو اس دنیا میں حقیقی برتری حاصل نہیں۔ ایسا ہر عقیدہ باطل ہے جس میں ان تمام پہلوؤں میں خدا کے سوا کسی اور کو شریک کیا جائے۔

قرآن میں توحید کے عقیدہ کو ایک آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔۔۔ اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا۔ اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش

کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جو وہ چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے اور وہی ہے بلند مرتبہ والا اور بڑا (آل عمران۔ ۲۵۵)

خدا کی پرستش کرنا اپنے خالق و مالک کی پرستش کرنا ہے جو واقعی طور پر انسان کی پرستش کا حق دار ہے۔ اس کے برعکس کوئی آدمی جب غیر خدا کے آگے سر جھکاتا ہے تو وہ اپنے جیسی ایک مخلوق کے آگے سر جھکاتا ہے جو اس کا حقدار نہیں کہ اس کے آگے سر جھکایا جائے۔ خدا کی پرستش انسان کو عظمت عطا کرتی ہے اور غیر خدا کی پرستش اس کو پستی میں گرا دیتی ہے۔ خدا کی پرستش انسان کو حقیقت پسند بناتی ہے اور غیر خدا کی پرستش اس کو توہمات میں مبتلا کر دیتی ہے۔ خدا کی پرستش سے معرفت حق کے دروازے کھلتے ہیں اس کے برعکس آدمی جب غیر خدا کی پرستش کرتا ہے تو وہ حق کی معرفت کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔

توحید صرف ایک ہے، مگر شرک کی ہزاروں قسمیں ہیں۔ موحد انسان کا مرکزِ توجہ اور مرکزِ عبودیت صرف ایک خدا ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں اور اپنی پوری زندگی میں اسی ایک خدا کو اپنا سب کچھ بنائے ہوئے رہتا ہے۔ مگر مشرک انسان کا کوئی ایک مرکزی نقطہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شرک کی بے شمار قسمیں بن جاتی ہیں۔۔۔ ستارہ پرستی، زمین پرستی، بت پرستی، ارباب پرستی، قبر پرستی سے لے کر نفس پرستی، دولت پرستی، اقتدار پرستی، مفاد پرستی، اولاد پرستی وغیرہ یہ تمام چیزیں درجہ بدرجہ غیر اللہ کی پرستش میں شامل ہیں۔ اور قرآن میں ان کی کھلی مذمت کی گئی ہے۔ موحد انسان وہ ہے جو ہر قسم کی برتر حیثیت صرف ایک خدا کو دے۔ اسی سے اپنی مراد مانگے۔ اسی کے سامنے مراسم پرستش بجالائے، اسی پر سب سے زیادہ بھروسہ کرے، اسی کو ہر اعتبار سے برتر حیثیت دے۔ پرستش کسی سے تعلق کے اظہار کا آخری درجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرستش کی تمام صورتیں صرف ایک خدا کا حق ہیں۔ پرستش کی نوعیت کی کوئی چیز کسی غیر

خدا کے لئے جائز نہیں۔

آدمی جب خدا کو اپنا معبود بناتا ہے تو وہ ایک ایسی ہستی کو اپنا معبود بناتا ہے جو حقیقی طور پر موجود ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی آدمی غیر خدا کو اپنا معبود بنائے تو اس نے ایک ایسی چیز کو اپنا معبود بنایا جس کا واقعات کی دنیا میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، خواہ بظاہر اس نے اس مفروضہ معبود کی ایک صورت بنا کر اپنے سامنے رکھ لی ہو۔ جو آدمی خدا کو اپنا معبود بنائے اس نے طاقت کے حقیقی سرچشمہ کو پالیا۔ اس کے برعکس جو آدمی غیر خدا کو اپنا معبود بناتا ہے وہ ایک ایسے توہماتی مفروضہ سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ خدا کا عبادت گزار ابدی سعادت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس غیر خدا کے عبادت گزار کے لئے ابدی محرومی کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔

خدا کائنات کا نور

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (النور ۳۵) یعنی اس پوری کائنات میں جہاں بھی کوئی روشنی ہے وہ خدا کی ذات سے ہے۔ خدا اگر روشنی نہ دے تو کہیں اور سے کسی کو بھی روشنی ملنے والی نہیں۔

سورج اگر نہ ہو تو زمین پر ہر طرف اندھیرا چھا جائے۔ اسی طرح اگر ستارے نہ ہوں تو ساری کائنات گہری تاریکی میں ڈوب جائے۔ خدا نے ساری کائنات میں بے شمار تعداد میں انتہائی روشن قسم کے متحرک اجسام پھیلا دئے ہیں جو کائنات کے ہر حصہ کو مسلسل طور پر روشنی کا تحفہ دے رہے ہیں۔ اگر یہ کائناتی انتظام نہ ہو تو دنیا اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تاریکی کا ایک بھیانک غار بن جائے گی۔

یہ مادی روشنی کا معاملہ ہے۔ یہی معاملہ فکری اور روحانی روشنی کا ہے۔ اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کو ضرورت ہے کہ اس کے ذہن کو وہ رہنمائی ملے جس کی روشنی میں وہ صحیح طور پر

سوچے اور اس کو وہ روحانی خوراک ملے جو اس کے سینہ میں حکمت حیات کا باغ اگادے۔ اس فکری اور روحانی روشنی کا سرچشمہ بھی صرف اور صرف خداوند ذوالجلال ہے۔ یہ روحانی روشنی بھی ایک خدا کے سوا کہیں اور سے انسان کو ملنے والی نہیں۔

آدمی جب خدائے واحد پر سچا یقین کرتا ہے تو نفسیاتی سطح پر خدا سے اس کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد روحانی تاروں پر اس کی پوری ہستی جگمگا اٹھتی ہے۔ وہ اپنی یادوں میں خدا کو پانے لگتا ہے۔ وہ اپنے آنسوؤں میں خدا کی جھلک دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی سوچ اور جذبات میں خدا اس طرح بس جاتا ہے جیسے کہ وہ خدا کے پڑوس میں پہنچ گیا ہو، جیسے کہ وہ خدا کے رحمت بھرے سایہ میں زندگی گزارنے لگا ہو۔

قرآن میں شرک کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے (لقمان ۱۳) ظلم کا مطلب ہے کسی چیز کو غیر جگہ پر رکھ دینا (وضع الشی فی غیر موضعه) یعنی شرک (خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا) اس کائنات میں سراسر اجنبی ہے۔ اس دنیا میں شرک کا عقیدہ رکھنے یا مشرکانہ فعل کرنے کے لئے کائنات میں کوئی جگہ نہیں۔

اس دنیا کا خالق ایک ہی خدا ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ وہی اس کو سنبھالنے والا ہے۔ اسی کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہیں۔ ایسی حالت میں جو شخص خدا کے سوا کسی اور کو خدا مانے یا کسی اور کو خدا کی خدائی میں شریک کرے اس نے ایک خود ساختہ مفروضہ کو واقعی حقیقت کا درجہ دیا۔ اس نے ایک ایسی چیز کو موجود فرض کیا جس کا اس دنیا میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔

مشرکانہ طرز فکر تمام برائیوں میں سب سے بڑی برائی ہے۔ جس آدمی کا ذہن مشرکانہ طرز پر سوچے، جس آدمی کے دل میں مشرکانہ خیالات پرورش پائیں، وہ ایک بے حقیقت چیز کو اختیار کرتا ہے۔ کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کی تردید کرتی ہے۔

شرک کا عقیدہ یا نظریہ آدمی کو فکری غذا دینے والا نہیں۔ وہ اس کو اس روحانی روشنی

سے منور کرنے والا نہیں جس کے بغیر آدمی کا پورا وجود ہی اس دنیا میں بے معنی ہو جاتا ہے۔

توحید اور شرک کا فرق

توحید کا مطلب خالق کو پالینا ہے اور شرک کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مخلوقات میں اٹک کر رہ جائے۔ توحید حقیقت کی سطح پر جینے کا نام ہے اور شرک کا مطلب توہمات کی سطح پر جینے کا نام۔ توحید اپنی فطرت کی دریافت کا نتیجہ ہے اور شرک اپنی فطرت سے بے خبری کا نتیجہ۔ اہل توحید ہی اس دنیا کے مطلوب انسان کی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ یہی لوگ ہیں جو خالق کی منشا کے مطابق ہیں۔

دنیا کے بنانے والے نے اس کو جس منصوبے کے تحت بنایا ہے اہل توحید اس منصوبہ الٰہی کی تکمیل کر رہے ہیں۔ وہ اسی نقشہ پر ہیں جس نقشہ پر انسان کو ہونا چاہئے۔ اہل توحید خدا کے مطلوب انسان ہیں۔ وہ دنیا میں دنیا کے مالک کی مرضی کو پورا کر رہے ہیں۔

شرک اور اہل شرک کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ شرک خدا کی دنیا میں ایک اجنبی تصور ہے۔ اہل توحید اگر اس دنیا میں مطلوب لوگ (wanted people) ہیں تو اہل شرک اس کے برعکس غیر مطلوب لوگ (unwanted people)۔ شرک کے عقیدہ کو اس دنیا میں اس کے مالک کی سند حاصل نہیں۔ شرک کی روش اس دنیا میں ایک ایسی روش ہے جس کی اجازت دنیا کے مالک نے دنیا میں بسنے والوں کو نہیں دی۔

گول خانہ میں کوئی چوکور چیز رکھی جائے تو وہ اس کے اندر فٹ نہیں بیٹھے گی۔ جب کہ گول خانہ میں گول چیز بالکل فٹ بیٹھ جاتی ہے۔ یہی معاملہ توحید اور شرک کا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے صرف توحید کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے توحید کا تصور یا موحدانہ زندگی اس کی فطرت کے عین مطابق ہے جب کہ شرک کا عقیدہ یا مشرکانہ زندگی انسانی فطرت کے مطابق نہیں۔

مشرک انسان کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ غیر خدائی چیزیں اس کی توجہات کا مرکز بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے پیش آنے والے مختلف حالات میں اس کا رویہ بھی انھیں غیر خدائی ہستیوں کی نسبت سے متعین ہوتا ہے۔ وہ اپنی کامیابی میں بھی انھیں کی طرف دوڑتا ہے اور ناکامی میں بھی وہ انھیں کی پناہ تلاش کرنا چاہتا ہے۔

اس کی مفروضہ غیر خدائی ہستیاں ہی ہر صورت حال میں اس کے دل و دماغ پر چھائی رہتی ہیں۔ موحد انسان اگر اپنے تجربات سے توحید کی غذا پاتا رہتا ہے تو مشرک انسان کے لئے اس کے تجربات مشرکانہ غذا کے حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

آدمی ہر لمحہ کچھ حالات کے درمیان جیتا ہے۔۔۔ خوشی کے حالات یا غم کے حالات، تکلیف کے حالات یا آرام کے حالات، کامیابی کے حالات یا ناکامی کے حالات، اختیار و اقتدار کے حالات یا بے اختیاری کے حالات، غلبہ کے حالات یا مغلوبیت کے حالات، موافق حالات یا غیر موافق حالات۔ ان مختلف حالات میں ایک رویہ (response) موحدانہ رویہ ہے اور دوسرا رویہ مشرکانہ رویہ۔

موحد انسان خدا کی عظمت میں جی رہا ہوتا ہے اس لئے اس کی زندگی میں پیش آنے والا ہر واقعہ اس کو خدا کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ اس کا رویہ ہر موقع پر وہی ہوتا ہے جو اس کے عقیدۂ توحید کے مطابق ہو۔ وہ ہر صورت حال میں ایک سچا خدا پرست انسان ثابت ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے اتار چڑھاؤ میں اپنے اعتدال کو نہیں کھوتا۔ وہ خواہ جس حال میں ہو، ہمیشہ اپنے خدا سے وابستہ رہتا ہے۔ خدا اس کی تمام توجہات کا مرکز بن جاتا ہے، وہ کسی بھی حال میں اس سے نہیں ہٹتا۔

توحید خدا کی نظر میں سب سے زیادہ باقیمت چیز ہے اور شرک خدا کی نظر میں سب سے زیادہ بے قیمت چیز۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس معاملہ کا تعلق اس انتہائی مخصوص چیز سے ہے جو انسان کا سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ ہے۔ اور وہ ہے کسی سے گہرا قلبی تعلق۔ یہ انسان کی سب سے

زیادہ اعلیٰ متاع ہے۔ اسی گہرے قلبی تعلق کا صرف ایک خدا سے وابستہ ہو جانے کا نام توحید ہے۔ اگر یہ گہری وابستگی خدا کے سوا کسی اور سے ہو تو اسی کا نام شرک ہے۔

اس گہرے قلبی تعلق کا اظہار دو قسم کے جذبات کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک محبت، اور دوسرے خوف۔ قرآن میں موحد انسان کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ اس کو سب سے زیادہ محبت صرف ایک خدا سے ہوتی ہے (البقرہ ۱۶۵) اور سب سے زیادہ خوف بھی صرف ایک خدا سے (التوبہ ۱۸)

یہ حب شدید اور خوف شدید صرف اس ہستی کا حق ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، جو اس کا مالک اور رب ہے۔ جو آدمی یہ مخصوص تعلق کسی اور سے قائم کرے تو اس نے شرک کیا۔ اس نے وہ چیز کسی اور کو دے دی جو صرف ایک خدا کا حصہ تھی۔

آدمی کو جس چیز سے یہ گہرا قلبی تعلق ہو جائے وہ ہر لمحہ اس کے بارہ میں سوچتا ہے۔ اس کے جذبات میں وہی ہر وقت سمایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اسی کو پانے سے خوش ہوتا ہے، اس سے محرومی کا اندیشہ اس کو تڑپا دیتا ہے۔ اس کے دل میں شوق کا طوفان اٹھتا ہے تو اسی کے لئے اٹھتا ہے۔ اس کو چھننے کا خوف ہوتا ہے تو اسی سے۔ وہ پانے کی امید رکھتا ہے تو اسی سے۔ اس کی آنکھیں روتی ہیں تو اسی کو یاد کر کے روتی ہیں۔ اس کی سوچ پر غلبہ رہتا ہے تو صرف اسی ایک کا غلبہ رہتا ہے۔ اس کا وجود کسی کے آگے ڈھ پڑتا ہے تو وہ صرف یہی ایک اعلیٰ اور برتر ذات ہوتی ہے۔

اسی لطیف انسانی جذبہ کو عبودیت کہا جاتا ہے۔ اس جذبۂ عبودیت میں خدا کسی کی شرکت کو گوارا نہیں کرتا۔ اس جذبۂ عبودیت کا مستحق صرف ایک خدائے عظیم ہے، اس کے سوا کوئی نہیں جو ادنیٰ درجہ میں بھی اس کا مستحق ہو۔

پیغمبروں کا مشن

پچھلے زمانوں میں خدا کی طرف سے جتنے پیغمبر آئے وہ سب اسی لئے آئے کہ وہ انسان کو

شرک سے ڈرائیں اور انھیں توحید کی تعلیم دیں، تاکہ انسان اس کے مطابق، اپنی زندگی کی اصلاح کرے اور دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کر سکے۔ مگر انسانیت کی لمبی تاریخ میں تقریباً ہر پیغمبر کے ساتھ ایسا ہوا کہ لوگوں کی زیادہ تعداد نے ان کی بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ خاص طور پر سماج کے بڑے لوگ کبھی پیغمبر کو ماننے یا ان کا ساتھ دینے پر راضی نہیں ہوئے۔ اس تاریخی واقعہ کو قرآن میں اس طرح بتایا گیا ہے۔۔۔ افسوس ہے بندوں کے اوپر، جو رسول بھی ان کے پاس آیا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے (یٰسین: ۳۰)

خدا کے پیغمبروں کو نظر انداز کرنے کا یہ معاملہ اس حد تک بڑھا کہ پچھلے دور میں آنے والے پیغمبروں کو انسانی تاریخ کے ریکارڈ سے حذف کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ماضی کی مدون تاریخ میں بادشاہوں کی داستانیں تو پڑھتے ہیں مگر پیغمبروں کا تذکرہ مدون تاریخ میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اس معاملہ میں صرف پیغمبر اسلام ﷺ کا واحد استثنا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے پہلی بار ردّ شرک اور اثبات توحید کی تحریک کو ایک ایسی زندہ تحریک بنا یا جس نے اس تحریک کو فکری مرحلہ سے اٹھا کر عملی انقلاب کے مرحلہ تک پہنچا دیا اور اس کی ایک مستقل تاریخ بنا دی۔

ردّ شرک اور اثبات توحید کی یہ تحریک قدیم زمانہ میں کیوں عملی انقلاب کے درجہ تک نہ پہنچ سکی۔ اس کا سبب خاص طور پر دو تھا۔ ایک بادشاہت کا نظام، دوسرے، توہماتی افکار کا غلبہ۔ یہی دو بنیادی اسباب تھے جو پیغمبروں کے مشن کے خلاف ایک مستقل رکاوٹ بنے رہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے پہلے کے دور میں مشرکانہ بادشاہت کا نظام قائم تھا۔ موجودہ زمانہ میں جمہوری سیاست کا اصول رائج ہے۔ سیاسی لیڈر عوامی ووٹوں کے ذریعہ اپنے لئے حکمرانی کا حق حاصل کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ کے بادشاہ اس کے برعکس یہ کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو یہ یقین دلا کر حکومت کرتے تھے کہ ہم خدا کے نمائندے ہیں۔ ہم خدا کی اولاد ہیں۔ اسی نظریہ کے تحت

قدیم زمانہ میں سورج و نشی اور چندر و نشی کا عقیدہ پیدا ہوا۔ گویا موجودہ زمانہ میں حکومت کی بنیاد سیکولر جمہوریت ہے جب کہ قدیم زمانہ میں حکومت کی بنیاد مشرکانہ عقیدہ پر ہوتی تھی۔ اسی واقعہ کی طرف قرآن میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: انا ربکم الاعلی (النازعات ۲٤) اس بنا پر یہ بادشاہوں کے عین سیاسی مفاد میں تھا کہ شرک کا عقیدہ دنیا میں قائم رہے۔

چنانچہ ان کی خصوصی سرپرستی کے تحت عبادت گاہ سے لے کر جینے مرنے کی رسموں تک زندگی کا پورا نظام شرک کے اوپر قائم ہو گیا تھا۔

یہ مشرکانہ نظام قدیم زمانہ میں ہزاروں سال تک تمام دنیا میں چھایا رہا۔ بادشاہوں کی سرپرستی کی بنا پر یہ مشرکانہ نظام اتنا زیادہ طاقتور ہو گیا کہ وہ ہمیشہ پیغمبروں کے خلاف ایک موثر رکاوٹ بنا رہا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ قدیم زمانہ میں پیغمبروں کی تحریک صرف پیغام رسانی کے مرحلہ تک محدود رہی، وہ وسیع تر عملی انقلاب کے مرحلہ تک نہ پہنچ سکی۔

اس سلسلہ میں دوسری رکاوٹ وہ تھی جس کو توہماتی افکار کا دور کہا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کہ جدید قسم کی سائنسی دریافتیں نہیں ہوئی تھیں، انسان فطرت کے مظاہر کی صحیح نوعیت کو نہیں سمجھ پایا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ دنیا میں مختلف قسم کی حیران کن چیزیں ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ اور سمندر، زمین اور آسمان، درخت اور حیوانات وغیرہ وغیرہ۔ مظاہر کے اس تعدد کو دیکھ کر انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ ان کے خالق بھی کئی ہیں یا یہ کہ مختلف مظاہر خود مختلف خداؤں کا ظہور ہیں۔ اس طرح تعدد مظاہر کی بنا پر تعدد الٰہ کا نظریہ پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ سورج اور چاند کو ان کے غیر معمولی پن کی بنا پر خدا یا دیوتا سمجھا جانے لگا۔ انسان کے لئے یہ ناقابل یقین ہو گیا کہ جب مخلوقات میں اتنا زیادہ تنوع اور تعدد ہے تو ان سب کا خدا ایک کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی حقیقت کی طرف خدا کے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا تھا: رب انهن اضللن كثيراً (ابراهيم ۳٦) یعنی فطرت کے یہ نمایاں مظاہر (سورج، چاند وغیرہ) نے

انسان کو دھوکہ میں ڈال دیا۔ لوگ انہیں مظاہر کو عظیم سمجھنے لگے۔ حالانکہ انھیں چاہیے تھا کہ وہ ان تمام چیزوں کو عظیم خدا کی مخلوق سمجھیں۔ مگر اس کے برعکس انھوں نے خود مخلوقات ہی کو خدا سمجھ کر ان کو پوجنا شروع کر دیا۔ موجودہ زمانہ میں مذکورہ دونوں افسانوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک طرف جمہوری افکار کے ذریعہ ساری دنیا میں جو طاقتور سیاسی انقلاب آیا اس نے قدیم طرز کی مشرکانہ بادشاہت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اب آج کی دنیا میں قدیم طرز کے بادشاہوں کا کہیں وجود نہیں۔ وہ جدید جمہوریت کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اس جدید سیاسی انقلاب کے بعد مشرکانہ عقیدہ یا مشرکانہ نظام اس موثر سرپرستی سے محروم ہو گیا جو ردّ شرک اور اثبات توحید کی دعوت میں طاقتور رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اب یہ امکان پوری طرح کھل گیا ہے کہ پیغمبرانہ دعوت کو بھرپور طور پر جاری کیا جائے اور اس کو اس طرح چلایا جائے کہ اول سے آخر تک کسی بھی مرحلہ میں اس کو کسی مزاحمت کا خطرہ نہ ہو۔

سائنس کے دور میں

اسی طرح جدید سائنس کے ظہور نے شرک کی دوسری بنیاد کو بھی ختم کر دیا۔ موجودہ زمانہ میں سائنسی دریافتوں کے ذریعہ یہ افسانہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا کہ فطرت کے مظاہر میں کوئی حقیقی تعدد ہے یا انھیں کوئی ذاتی عظمت حاصل ہے۔

جدید سائنس نے ایک طرف یہ کیا کہ اپنے تجزیہ اور تجربہ کے ذریعہ آخری طور پر یہ ثابت کر دیا کہ تمام چیزیں، ظاہری تعدد کے باوجود، اپنے آخری تجزیہ میں صرف ایٹم کا مجموعہ ہیں۔ اور ایٹم برقیاتی لہروں کا مجموعہ ہے۔ اس دریافت کے بعد فطرت میں تعدد کا افسانہ ختم ہو گیا۔ تمام چیزیں ظاہری فرق کے باوجود، اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ثابت ہو گئیں۔ گویا علم کی اگلی ترقی نے مشرکانہ نظریہ کو رد کر کے توحید کے نظریہ کے لئے ایک ثابت شدہ بنیاد فراہم کر دی۔

اسی کے ساتھ جدید سائنس نے دوسری بات یہ ثابت کی کہ زمین میں یا وسیع خلا میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب کی سب بے بس مخلوق ہیں۔ سب کی سب ایک محکم قانون فطرت میں بندھی ہوئی ہیں۔ انھیں کسی بھی درجہ میں کوئی ذاتی اختیار یا اقتدار حاصل نہیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور بات ثابت ہو گئی جو عقیدۂ شرک کے سراسر خلاف اور عقیدۂ توحید کے سراسر موافق ہے۔ وہ یہ کہ ساری کائنات اپنے تمام مختلف اجزا کے ساتھ ایک ہی قانون فطرت کے تحت چل رہی ہے جس کو سائنس داں اپنی زبان میں واحد ڈوری (single string) سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خود علم انسانی کی دریافتوں کے مطابق کائنات کا صرف ایک خدا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی خدا ہے اور نہ کوئی معبود۔ شرک کی اصل توہماتی طرز فکر (superstitious thinking) میں ہے۔ موجودہ زمانہ میں سائنسی تحقیقات نے قدیم زمانہ کے توہمات (superstitions) کو بے بنیاد ثابت کر دیا ہے۔ اس طرح شرک کی جڑیں موجودہ زمانہ میں خالص علمی اعتبار سے ختم ہو گئیں۔ اب کوئی سائنٹفک ذہن (scientific mind) شرک کو بطور حقیقت ماننے کے لئے تیار نہیں۔ تاہم ابھی تک شرک کا مکمل خاتمہ نہیں ہوا۔

پہلے زمانہ میں انسان یہ عقیدہ قائم کئے ہوئے تھا کہ فلاں فلاں دیوی دیوتا ہیں جو ہوائیں چلاتے ہیں، جو بارش برساتے ہیں، جو پراسرار طور پر ان واقعات کے پیچھے کام کر رہے ہیں جن کو ہم صبح و شام دیکھتے ہیں۔ مگر اب سائنسی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سب واقعات معلوم فطری قوانین (laws of nature) کے تحت ظہور میں آتے ہیں۔ وہ کسی پراسرار دیوی یا دیوتا کا کرشمہ نہیں۔ اس طرح قدیم طرز کے شرک کا اب بڑی حد تک خاتمہ ہو چکا ہے۔

ایک جاہل اور بے خبر شخص نے جب پہلی بار ایک کار کو دوڑتے ہوئے دیکھا تو اس نے سمجھا کہ یہ کوئی جادوگر ہے جو اپنے لوہے کے کمرہ کو جادو کے زور پر دوڑا رہا ہے۔ مگر ایک باخبر انجینئر اس قسم کی بات کو مضحکہ خیز سمجھے گا۔ کیوں کہ اس کو یقین ہو گا کہ ایسا کوئی جادو واقعہ

میں موجود ہی نہیں۔

اسی طرح مشرکانہ عقائد یا فرضی معبودوں کا نظام موجودہ زمانہ کے ایک تعلیم یافتہ انسان کے لئے پوری طرح مضحکہ خیز بن چکا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ بارش کا برسنا یا فصل کا اگنا اور اس طرح کے دوسرے واقعات تمام تر فطرت کے اصولوں پر مبنی (based) ہیں۔

قدیم توہماتی دور میں شرک کا عقیدہ قابل قبول ہو سکتا تھا۔ مگر اب ترقی یافتہ علم کے زمانہ میں شرک کا پورا ڈھانچہ عقیدہ سے لے کر عمل تک، سراسر بے اصل قرار پا چکا ہے۔ ترقی یافتہ زمانہ میں شرک کا جو حال ہوا اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی اندھیرے کمرے کے بارے میں یہ سمجھ لیا جائے کہ اس کے اندر بڑی بڑی سینگوں والا کوئی خطرناک عفریت بیٹھا ہوا ہے۔ مگر جب کمرہ کو روشن کیا جائے تو معلوم ہو کہ وہاں ایسی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہ تھی۔

سائنس کے ظہور سے پہلے دنیا میں توہماتی خیالات کا غلبہ تھا۔ اس وقت کم فہمی کے تحت لوگ شرک کے فریب میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ مگر اب سائنس کی روشنی پھیل جانے کے بعد اس کا امکان ختم ہو گیا ہے کہ شرک دوبارہ لوگوں کے ذہن میں اپنی جگہ بنا سکے۔

تاہم خود توہمات کا ابھی تک خاتمہ نہیں ہوا۔ ذاتی زندگی میں آج بھی ساری دنیا میں کروروں لوگ پراسرار قسم کے توہمات میں یقین رکھتے ہیں۔ اہل علم طبقہ کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو دیوی دیوتاؤں کو تو نہیں مانتی مگر اب بھی وہ خدائے واحد تک نہیں پہنچی۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کی پچھلی نسلیں اگر دیوی دیوتاؤں میں اٹکی ہوئی تھیں تو اب قانون فطرت کے نام سے انھوں نے ایک اور معبود کو فرض کر لیا ہے اور اس کو اپنے ذہن میں اسی طرح بٹھائے ہوئے ہیں جس طرح قدیم انسان دیوی دیوتاؤں کو بٹھائے ہوئے تھا۔

اس طرح انسانی تاریخ گردش کرتے ہوئے اب ایک ایسے دور میں پہنچ گئی ہے جب کہ پیغمبروں کی تحریک کے راستہ کی تمام رکاوٹیں ختم ہو گئی ہیں۔ آج رد شرک اور اثبات توحید کی

تحریک کو آزادانہ طور پر اور انتہائی موثر انداز میں برپا کیا جاسکتا ہے۔ دور جدید میں سیاسی اور بین اقوامی فضا بھی پوری طرح اس کے موافق ہو چکی ہے۔ تمام علمی دلائل اسی کی تائید کر رہے ہیں۔ حتی کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آج توحید کی تحریک بلا مقابلہ کامیابی (unopposed victory) حاصل کرنے کی پوزیشن میں پہنچ گئی ہے۔ اس کے راستہ میں اب کسی بھی قسم کی کوئی رکاوٹ حائل نہیں اب ضرورت ہے کہ اہل توحید نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ اٹھیں اور دنیا کی تمام قوموں کو نئی طاقت کے ساتھ توحید کی حیات بخش حقیقت سے آشنا کر دیں۔

قدیم زمانہ میں انسانی زندگی میں اور انسانی سماج میں بے شمار برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان کے نتیجہ میں انسان اپنی فطری عظمت سے محروم ہو گیا تھا۔ یہ پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ اٹھائی ہوئی تحریک توحید تھی جس نے دنیا کو اس المناک دور سے نکالا اور انسانیت کو حقیقی معنی میں ترقی کے دور میں داخل کیا۔ انسان پہلی بار ان سعادتوں سے ہمکنار ہوا جو خدا نے اس کے لئے مقدر کی تھیں مگر خود ساختہ توہمات کے نتیجہ میں اس نے اپنے آپ کو ان سے محروم کر رکھا تھا۔ انسانیت تاریکی کے طویل دور سے نکل کر روشنی کے نئے دور میں داخل ہو گئی۔ اب بظاہر مادی ترقیوں کے باوجود انسان دوبارہ مسائل کے اندھیروں میں گرفتار ہو گیا ہے۔ خوشنما تمدن کے اندر وہ حقیقی خوشی اور سکون سے محروم ہے۔ انسان کی فطری عظمت دوبارہ پستیوں کے نئے کھڈ میں جا گری ہے۔

اب ضرورت ہے کہ توحید کی دعوت کو از سر نو نئی طاقت کے ساتھ زندہ کیا جائے۔ ایک طرف اس کے نئے دلائل اور نئے اسلوب کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ قابل قبول بنایا جائے اور دوسری طرف جدید ذرائع اشاعت کو استعمال کر کے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جس کو پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی ایک تاریخی گوئی میں اس طرح فرمایا تھا کہ ۔۔۔ ایک وقت آئے گا جب کہ خدا کے دین کا پیغام ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ کوئی گھر یا خیمہ ایسا نہ بچے گا جس کے اندر توحید کا کلمہ پہنچ نہ گیا ہو۔

ایک آزمائش

قرآن کی سورہ نمبر ۲۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ ۔۔۔ اور ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا تو جب اس نے کچھ پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں ملا دیا۔ پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے کو مٹا دیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیتوں کو پختہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے (الحج: ۵۲)

حق کا داعی خواہ وہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر، اس کے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ پیش آتا ہے کہ جب وہ خدا کی سچی بات کا اعلان کرتا ہے تو معاندین اس کی بات میں طرح طرح کے شوشے نکالتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی صداقت کے بارے میں مشتبہ کر دیں۔

اس طرح کے شوشے ہمیشہ بے بنیاد ہوتے ہیں۔ جب وہ پیش کئے جاتے ہیں تو داعی کو موقع ملتا ہے کہ وہ ان کی وضاحت کر کے اپنی بات کو اور زیادہ ثابت شدہ بنا دے۔ اس سے مخلص لوگوں کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد خدا کے ساتھ ان کا تعلق اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ مگر جو لوگ گہری معرفت سے خالی ہوتے ہیں، یہ شوشے ان کے لئے فتنہ بن جاتے ہیں۔ وہ ان کے فریب میں مبتلا ہو کر حق سے دور چلے جاتے ہیں۔

"اللہ ایمان والوں کو ضرور صراط مستقیم دکھاتا ہے" اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ جو لوگ فی الواقع ایمان کے معاملہ میں سنجیدہ ہوں وہ کبھی جھوٹے پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ وہ پر فریب الفاظ سے کبھی دھوکہ نہیں کھاتے۔ ان کا ایمان ان کے لئے ایسا علم بن جاتا ہے جو باتوں کو ان کی گہرائی کے ساتھ جان لے نہ کہ محض باتوں کے ظواہر میں اٹک کر رہ جائے۔

یہ ایک آزمائش ہے۔ حق کی دعوت کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کی آزمائشیں پیش آتی ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے تاکہ مخلص اور غیر مخلص کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ تاکہ غیر مخلص بے نقاب ہو جائیں اور جو لوگ مخلص ہیں ان کا اخلاص عملی طور پر ثابت شدہ بن جائے۔

خطرہ کہاں

ایک عربی پرچہ میں ایک مضمون نظر سے گزرا۔ اس کا عنوان تھا : الاقلیات المسلمین تواجہ خطر اذوبان ۔ یعنی مسلم اقلیتوں کو اس خطرہ کا سامنا ہے کہ وہ اکثریتی فرقہ میں گھل مل جائیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ (اسلام ہمیشہ غالب رہتا ہے وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا) فتح الباری ۳/۲۶۱۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ کی نسبت عطا فرمائی ہے تو اس کے لئے مغلوب ہونے یا جذب ہو جانے کا خطرہ کیوں محسوس کیا جارہا ہے۔

اس کی وجہ بالکل سادہ ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں میں فرق نہ کرنا ہے۔ کوئی مسلم گروہ اپنے زوال کی بنا پر مذکورہ قسم کے خطرے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ لیکن اسلام، ایک ربانی نظریہ کی حیثیت سے اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ اس کو کسی بھی حال میں غیر اسلامی طاقتوں سے مغلوب ہونے یا ان میں جذب ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کے لئے یہ خطرہ پیدا ہو کہ وہ کسی غیر مسلم طاقت سے مغلوب ہو جائیں گے یا اس میں جذب ہو جائیں گے تو پیشگی طور پر یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی وجہ خود مسلمانوں کا اسلام میں کمزور ہونا ہے نہ کہ غیر مسلموں کا ان کے مقابلہ میں طاقتور ہو جانا۔

اس لئے جب بھی اس قسم کا خطرہ پیدا ہو تو مصلحین کو چاہئے کہ وہ خود مسلم نسلوں کو دوبارہ اسلام پر اٹھانے کی کوشش کریں۔ وہ ان کے کیس کو قولی کیس کے بجائے اسلام کا کیس بنا دیں۔ اس کے بجائے غیر مسلم طاقتوں کے خلاف قولی یا عملی ہنگامہ آرائی کرنا ایک غیر متعلق فعل ہے جس کا خدا کی اس دنیا میں کوئی فائدہ نکلنے والا نہیں۔

محتاط روش

عن اوس بن شرحبیل انه سمع رسول الله یقول من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام (مشکاة المصابیح ۳/ ۱۴۲۰)

اوس بن شرحبیل کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص ظالم کے ساتھ چلے تاکہ اس کو تقویت حاصل ہو، اور وہ جانتا ہو کہ وہ ظالم ہے، تو ایسا شخص اسلام سے نکل گیا۔

عن ابراهیم بن میسرة قال قال رسول الله ﷺ من وقر صاحب بدعة اعان علی هدم الاسلام (مشکاة ۱/ ۶۶) ابراہیم بن میسرہؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بدعت والے کی توقیر کرے تو اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں مدد دی۔

کسی آدمی کے برا آدمی ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ براہ راست برائی میں ملوث ہو۔ مثلاً وہ خود برا کام کرے یا برا کام کرنے والے کا باقاعدہ ساتھی بن جائے۔ جو لوگ اس طرح براہ راست انداز میں ملوث ہوں ان کا برا ہونا ایک معلوم اور مسلّم بات ہے۔ تاہم اسلام کی نظر میں صرف وہی شخص برا نہیں ہوتا جو ذاتی طور پر اور براہ راست طور پر برائی میں ملوث ہو۔ اسلام کے نزدیک وہ شخص بھی یکساں طور پر برا ہے جو بالواسطہ انداز میں برائی کے عمل میں ملوث ہوتا ہے۔

اجتماعی زندگی میں آدمی کا ہر عمل یا تو کسی کے موافق ہوتا ہے یا کسی کے مخالف، ہر آدمی اپنے قول و عمل سے ایک روش کی تائید کرتا ہے اور دوسری روش کی تردید، خواہ یہ تائید و تردید براہ راست ہو یا بالواسطہ۔ ایسی حالت میں آدمی کو چاہئے کہ جب بھی وہ کسی معاملہ میں بولے یا کوئی کارروائی کرے تو بولنے یا کرنے سے پہلے یہ سوچے کہ اس کے قول یا عمل کے ذریعہ کس کی حمایت ہوگی اور کس کی مخالفت۔ اور وہ وہی کرے جس سے اہل حق کی حمایت ہوتی ہو۔ ہر حال میں وہ اہل باطل کی حمایت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے حتی کہ بالواسطہ حمایت سے بھی۔

ہرقل کا واقعہ

۲۰ اگست ۶۳۶ کو ایک فیصلہ کن واقعہ ہوا جو تاریخ میں دریاے یرموک کی جنگ (Battle of Yarmuk River) کے نام سے مشہور ہے۔ یرموک ایک دریا کا نام ہے جو شام اور اردن کے درمیان واقع ہے، مذکورہ تاریخ کو یہاں عربوں اور رومیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ عرب فوج کے سردار خالد بن ولید تھے، اور رومی فوج کی قیادت تذارق (THEODOUS) کر رہا تھا جو شہنشاہ ہرقل کا بھائی تھا۔

اس جنگ میں رومی فوج کو مکمل شکست ہوئی۔ خود تذارق قتل کر دیا گیا۔ یہ جنگ اس پورے علاقہ کے لئے فیصلہ کن تھی۔ چنانچہ اس کے بعد پورا شام تقریباً بلا مقابلہ عربوں کے قبضہ میں آگیا۔ یرموک کی شکست کی اس اہمیت سے شہنشاہ ہرقل بخوبی واقف تھا جو اس وقت حمص (شام) میں تھا۔ اس کے بعد وہ حمص سے روانہ ہو گیا۔ مورخ بلاذری کی روایت کے مطابق، اس وقت اس کی زبان پر یہ کلمہ تھا: سلام علیک یا سوریا، سلاما لا لقا بعدہ (اے شام، تجھ کو آخری سلام، اب تجھ سے میری ملاقات نہیں ہوگی) ہر چیز جو انسان کو ملی ہوئی ہے وہ آخر کار اس کا ساتھ چھوڑنے والی ہے۔ موت سے پہلے یا موت کے وقت۔ مگر انسان آخر وقت تک چیز کو اپنی چیز سمجھتا ہے۔ وہ سوچ نہیں پاتا کہ کوئی چیز اس کی اپنی نہیں۔ ہر چیز خدا کی چیز ہے۔ وہ جب تک چاہے کسی کے پاس رکھے، اور جب چاہے چھین لے۔

آدمی جو کلمہ ملک چھن جانے کے بعد کہتا ہے، اگر وہی کلمہ وہ ملک چھننے سے پہلے کہے تو وہ اس کے نامۂ اعمال میں ایک قیمتی عمل کے طور پر لکھا جائے۔ مگر آدمی اس حقیقت شناسی کا ثبوت نہیں دیتا۔ ہر آدمی چھننے کے بعد کہتا ہے نہ کہ چھننے سے پہلے۔ اور چھننے کے بعد کہنا کسی کے کچھ کام آنے والا نہیں۔

حضرت لبیدؓ

لبید بن ربیعہ بن مالک العامری (م ۴۱ھ) قدیم عرب کے ایک مشہور شاعر تھے۔ ان کا شمار اصحاب المعلقات میں سے ہوتا ہے۔ ہجرت کے بعد انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد انھوں نے شاعری چھوڑ دی۔ کہا جاتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد انھوں نے صرف ایک شعر کہا تھا جو یہ ہے۔

ما عاتب المرء الکریم کنفسه والمرء یصلحه الجلیس الصالح

عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک بار حضرت لبید سے کہا کہ اپنے کچھ اشعار سنایئے۔ حضرت لبیدؓ نے جواب دیا کہ اللہ نے جب مجھ کو بقرہ اور آل عمران جیسی سورتوں کی تعلیم دی تو اس کے بعد میرے لئے مناسب نہیں کہ میں شعر کہوں (ما کنت لاقول شعرا فد ان علمنی الله البقرة و آل عمران) ابن عبد البر، الاستیعاب

حضرت لبید نے اپنے شعر میں جو بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ شریف آدمی احتساب غیر کے بجائے احتساب خویش کے معاملے میں زیادہ حساس ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی غلطی پر گرفت کرتے ہوئے نرمی کا انداز اختیار کرتا ہے مگر جب معاملہ خود اپنی غلطی کا ہو تو وہ اس کے لئے بے رحم محاسب بن جاتا ہے۔

شعر کے دوسرے مصرع میں انھوں نے صحبت کی اہمیت بتائی ہے۔ آدمی اگر زیادہ دیر تک برے کی صحبت اختیار کرے تو اندیشہ ہے کہ وہ بھی برا بن جائے۔ اس کے مقابلہ میں جب آدمی اچھے انسان کی صحبت اختیار کرتا ہے تو اس کی صحبت کے اثر سے وہ بھی ایک اچھا آدمی بن جاتا ہے۔ حضرت لبیدؓ نے خلیفہ دوم سے جو بات کہی وہ بظاہر قرآن کے مقابلہ میں ہے مگر وسیع تر معنی میں اس کا تعلق دوسری حقیقتوں سے بھی ہے۔ اور وسیع تر انطباق کے لحاظ سے ہر حق کے مقابلہ میں اپنی زبان بند کر لینے سے۔

سنت الٰہی

پیغمبر اسلام ﷺ نے جب اپنی دعوت حق کا آغاز فرمایا تو وہ تمام لوگ آپ کے مخالف ہو گئے جن کے اوپر اس کی زد پڑتی تھی، جن کے مفادات اس سے مجروح ہو رہے تھے۔ چونکہ یہ لوگ دلائل کے ذریعہ آپ کی دعوت کا توڑ نہیں کر سکتے تھے، انھوں نے یہ تدبیر کی کہ آپ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ اس صورت حال کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے ---اور انکار کرنے والوں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں خلل ڈالو، شاید کہ تم غالب رہو۔ (حٰم السجدہ ۲۶)

اس آیت کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں میں اثر کرتی تھی۔ جو سنتا فریفتہ ہو جاتا۔ اس سے روکنے کی تدبیر منکروں نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے، ادھر کان مت دھرو اور اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کی آواز دب جائے گی۔ آج بھی جاہلوں کو ایسی ہی تدبیریں سوجھا کرتی ہیں کہ کام کی بات کو شور مچا کر سننے نہ دیا جائے۔ لیکن صداقت کی کڑک مچھروں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے کہاں مغلوب ہو سکتی ہے۔ ان سب تدبیروں کے باوجود حق کی آواز قلوب کی گہرائیوں تک پہنچ کر رہتی ہے (تفسیر عثمانی ۶۲۱)

پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی جو مہم چلائی گئی تھی اس کی بہت سی مثالیں حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جب قرآن کی سورہ النجم اتری تو آپ نے اس کو ایک ایسے مخلوط مجمع میں سنایا جہاں مسلمانوں کے ساتھ مشرک لوگ بھی موجود تھے۔ اس کو سناتے ہوئے آپ نے یہ آیتیں پڑھیں: افراء یتم اللّٰت والعزی. ومنوٰۃ الثالثۃ الاخریٰ (النجم ۱۹-۲۰)

جیسے ہی آپ نے یہ آیتیں پڑھیں حاضرین میں سے ایک مشرک نے اس میں اپنی

طرف سے یہ الفاظ ملا دیئے جو وہ جاہلی روایت کے تحت ان بتوں کے بارے میں پڑھا کرتے تھے:
تلك الغرانيق العلى ، وان شفاعتهن لترتجى (یہ بڑی ہستیاں ہیں اور ان کی شفاعت کی قبولیت کی پوری امید ہے) تفسیر ابن کثیر ۳/۲۲۹۔

اس واقعہ کے بعد مخالفوں کی پروپیگنڈا مشین تیزی سے حرکت میں آگئی۔ انھوں نے مجمع کے اندر ایک مشرک کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو پیغمبر اسلام کی طرف منسوب کر کے یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو، اب تو محمدؐ نے بھی بتوں کی عظمت کو مان لیا۔ وہ بھی مشرکین کی بات کو دہرانے لگے (اس واقعہ کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے)

یہ صرف کوئی ایک واقعہ نہیں، اس قسم کا معاملہ ہر دور میں اور ہر داعیٔ حق کے ساتھ پیش آتا ہے۔ حق کی دعوت جب بھی اٹھتی ہے وہ مضبوط دلائل پر قائم ہوتی ہے۔ وہ انسانی فطرت کو اپیل کرتی ہے۔ لوگ تیزی سے اس کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ یہ صورت حال ان لوگوں کے لئے خطرہ بن جاتی ہے جو غیر حق کو حق بتا کر اپنی قیادت قائم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حال ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ وہ دلائل کا مقابلہ دلائل سے کرنے میں اپنے کو عاجز محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ دلائل کا مقابلہ جھوٹے پروپیگنڈوں سے کرنے کے لئے حرکت میں آجاتے ہیں۔

پیغمبروں کے ساتھ اور اسی طرح حق کے داعیوں کے ساتھ بدنام کرنے کا یہ جو معاملہ پیش آتا ہے وہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں۔ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی گہری مصلحت شامل ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو آزمایا جائے۔ اس طرح وہ لوگ الگ ہو جاتے ہیں جو اپنی خدا ترسی اور معرفت حق کی بنا پر اس میں کامیاب رہتے ہیں کہ وہ حقیقی دلیل اور جھوٹے پروپیگنڈے میں فرق کر سکیں۔ وہ جھوٹے پروپیگنڈوں کو نظر انداز کر کے حق کے ساتھ اپنی وابستگی کو اور زیادہ مضبوط بنالیں۔

دوسری طرف حق کے مخالفین کی اسی مہم کے درمیان وہ لوگ کھل کر سامنے آجاتے ہیں جو بظاہر حق پرست بنے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے اندر حقیقی معنوں میں نہ خدا کا خوف تھا اور نہ ایمان کی سچی روشنی۔ ایسے لوگ اپنے اندھے پن کی بنا پر دلیل اور غیر دلیل میں فرق نہیں کرپاتے۔ وہ جھوٹے الفاظ کو دلیل سمجھ کر ان سے متاثر ہو جاتے ہیں اور داعیان حق کے بارے میں شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ حق کی دعوت کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے، البتہ خود اپنی حقیقت کو وہ پوری طرح بے نقاب کر دیتے ہیں۔

یہی وہ خدائی قانون ہے جو قرآن کی ان آیتوں میں پیغمبر کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے: اور ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا تو جب اس نے کچھ پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں ملادیا۔ پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے کو مٹا دیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیتوں کو پختہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔ تاکہ جو کچھ شیطان نے ملایا ہے اس سے وہ ان لوگوں کو جانچے جن کے دلوں میں روگ ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ اور تاکہ وہ لوگ جن کو علم ملا ہے جان لیں کہ یہ فی الواقع تیرے رب کی طرف سے ہے۔ پھر وہ اس پر یقین لائیں۔ اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں۔ اور اللہ ایمان لانے والوں کو ضرور سیدھا راستہ دکھاتا ہے (الحج ۵۲۔۵۴)

خدا کا مطلوب مومن وہ ہے جو خدا کی قائم کی ہوئی ایمانی کسوٹی پر پورا اترے۔ وہ کسوٹی یہ ہے کہ مخالف حالات میں وہ اپنے آپ کو صاحب ایمان ثابت کرے۔ شبہات کا طوفان بھی اس کے یقین کو متزلزل نہ کر سکے۔ ہر قسم کے ناموافق اسباب کے باوجود وہ حق کو پہچان لے اور اپنے آپ کو اس کے ساتھ وابستہ کر دے۔

ہندتو: حقیقت یا افسانہ

خطرے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی خطرہ، اور دوسرا فرضی خطرہ۔ اگر حقیقی خطرہ درپیش ہو تو اس کا حل یہ ہے کہ آدمی اس کی نوعیت کو سمجھے اور اس کے مطابق بچاؤ کی ضروری تدبیر کرے۔ لیکن اگر خطرہ محض فرضی ہو تو مسئلہ بالکل بدل جاتا ہے۔ اب اس سے بچاؤ کی تدبیر صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کو سادہ طور پر نظر انداز کر دیا جائے۔ فرضی خطرہ کو نظر انداز کر دینا ہی اس سے بچاؤ کی سب سے زیادہ کامیاب تدبیر ہے۔

ہندُتو کا خطرہ راقم الحروف کے نزدیک محض فرضی خطرہ ہے، وہ کبھی واقعہ بننے والا نہیں۔ ایسی حالت میں اس کے لیے پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔

یہ صحیح ہے کہ آج کل ہندتو کا کافی چرچا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ مستقبل کا انڈیا ہندتو کی بنیاد پر تشکیل دیا جائے گا۔ مگر جہاں تک میرا مطالعہ ہے، خود ہندتو کے علم برداروں کے ذہن میں اس کا کوئی واضح نقشہ موجود نہیں ہے۔ اور جس چیز کا نقشہ ہی اب تک واضح طور پر متعین نہ ہوا ہو، وہ انڈیا کے مستقبل کی تشکیل کرنے والا کس طرح بنے گا۔

مسٹر لال کرشن آڈوانی کے الفاظ میں، ہندتو سے مراد کلچرل نیشنلزم (cultural nationalism) ہے۔ یعنی کلچر پر مبنی قومیت۔ وہ کون سا کلچر ہوگا جس پر یہ قومیت تشکیل دی جائے گی۔ اس کا جواب مسٹر جے دوباشی کے الفاظ میں یہ ہے کہ انڈیا میں قومی تشخص صرف ہندو ہی ہو سکتا ہے:

In India, the national identity can only be Hindu. (The Illustrated Weekly of India, March 12, 1993)

اسی کے ساتھ مسٹر گری لال جین کے الفاظ ملا لیجئے تو بات مکمل ہو جائے گی۔ ٹائمس آف انڈیا (۱۱ مارچ ۱۹۹۳) میں خاص اسی موضوع پر مسٹر جین کا ایک مضمون چھپا ہے۔ اس کا عنوان ہے:

Apartheid in reverse — Dangers of minorityism

مضمون نگار کے نزدیک انڈیا کے مسلمانوں کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ وہ اکثریتی فرقہ کے کلچر کو اختیار کر لیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ انڈیا کوئی انسانی چڑیا خانہ نہیں ہے جس میں مختلف انسانی انواع

ایک مقام پر الگ الگ خانوں میں رکھ دی گئی ہوں اور ان کو ایک نہ کیا جا سکتا ہو۔ انڈیا ممتاز طور پر اور ہزاروں سال سے ایک یکساں کلچر کا ملک ہے اگرچہ وہ یک سنگی نہیں :

India is not a human zoo with different species of humanity put together in one physical location in separate enclosures and it cannot be turned into one. It embodies a remarkably homogenous, though not monolithic, culture going back thousands of years. (p.8)

غیر ہندو فرقے اگر ہندتو کے علم برداروں کے اس مطالبہ کو بلا بحث مان لیں تب بھی اصل مسئلہ ختم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ یکساں کلچر کو اختیار کرنے کے لیے اس کا ایک ماڈل ہونا ضروری ہے۔ حالاں کہ ایسا کوئی ماڈل سرے سے ملک کے اندر موجود ہی نہیں۔ اور جب ماڈل موجود نہ ہو تو اس کی پیروی کس طرح کی جائے گی۔

وہ چیز جس کو یہ حضرات ہندو کلچر یا بھارتی کلچر کہتے ہیں، وہ بروقت کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے۔ اس میں بیک وقت بے شمار خدا ہیں۔ بابری مسجد کو ڈھانے والے بھارتی کلچر کے نمائندوں نے پُرفخر طور پر اجودھیا میں یہ نعرہ لگایا تھا کہ : ایک طرف ۳۳ کرور، ایک طرف ایک اللہ۔ اسی طرح ہندوؤں میں زبان، کھانا، کپڑا، رہن سہن، ہر چیز میں اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ ایک ہندو مبصر کے الفاظ میں، اس ملک میں جتنے ہندو ہیں، اتنی ہی ان کی قسمیں ہیں۔

جب ہندو کی اتنی زیادہ قسمیں ہیں تو سوال یہ ہے کہ وہ کون ہندو ہے جس کو پیروی کے لیے ماڈل سمجھا جائے۔ کیا وہ ہندو جو کوٹ اور پتلون پہنتا ہے یا وہ ہندو جو دھوتی اور کرتا پہنتا ہے۔ وہ ہندو جو مورتی پوجا کرتا ہے یا وہ ہندو جو مورتی پوجا کا کھنڈن کرتا ہے۔ وہ ہندو جو آستک ہے یا وہ ہندو جو ناستک ہے۔ وہ ہندو جو رامائن اور مہابھارت کو تاریخ کہتا ہے یا وہ ہندو جو رامائن اور مہابھارت کو افسانہ (متھ) سمجھتا ہے۔ وہ ہندو جو شاکھاہاری ہے یا وہ ہندو جو منساہاری ہے۔ وہ ہندو جو ہندوازم کو مذہب بتاتا ہے یا وہ ہندو جو ہندوازم کو فلاسفی قرار دیتا ہے۔ وہ ہندو جو رام کو ہیرو مانتا ہے یا وہ ہندو جو راون کو ہیرو سمجھتا ہے۔ وہ ہندو جو اونچ ذات اور نیچ ذات میں یقین رکھتا ہے یا وہ ہندو جو ان باتوں کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔

اس قسم کے بے شمار فرق ہیں جو ایک ہندو اور دوسرے ہندو کے درمیان پائے جاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سا ہندو ہے جو ہندوازم یا ہندو کلچر کے لیے ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں "ہندتو" کے علم برداروں کو پہلے خود ہندوؤں کے اوپر اپنا بلڈوزر چلاکر انھیں ایک کلچر یا یکساں کلچر کا نمونہ بنانا ہوگا۔ اس کے بعد ہی وہ غیر ہندو فرقوں سے یہ مانگ سکتے ہیں۔ کہ وہ اس "ماڈل ہندو" کی پیروی کریں۔

اگر یہ حضرات سنجیدگی کے ساتھ غور کریں تو انھیں معلوم ہوگا کہ ان اختلافات کو بلڈوز کر کے ہندتو کا کوئی ایک ماڈل بنانا قابل عمل نہیں، اس لئے ہندتو کی بنیاد پر ملک کی تعمیر بھی یقینی طور پر قابل عمل نہیں۔ یہ صورت حال بتاتی ہے کہ ہندو سوسائٹی میں اختلافات اتنے زیادہ بنیادی ہیں جو کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حالت میں مسٹر گری لال جین کے الفاظ خود ہندو فرقہ پر زیادہ بڑے پیمانہ پر صادق آتے ہیں۔ ہندو فرقہ خود ایک بہت بڑا ہیومن زو ہے۔ اپنے موجودہ تنوعات کے ساتھ ہندو فرقہ کے لیے یکساں کلچر کا نمونہ بننا ممکن نہیں۔ وہ متنوع کلچر (composite culture) کا ماڈل یقیناً ہے مگر وہ یکساں کلچر کا ماڈل ہرگز نہیں۔

ہندتو کی اس کمزوری کا اعتراف خود ہندتو کے علم برداروں کو بھی کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ ہندو کی مشترک تعریف کے لیے کوئی واضح بنیاد موجودہ حالت میں موجود نہیں۔ کیوں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک ہندو، عمومی اعتبار سے، سب سے پہلے ایک ذات سے تعلق رکھتا ہے، اس کے بعد ہی وہ ہندو برادری کا حصہ بنتا ہے :

A Hindu, generally speaking, belongs to a caste before he belongs to the Hindu fraternity.

مسٹر گری لال جین (۱۹۹۳-۱۹۲۲) نے اپنے ایک مفصل مضمون میں لکھا تھا کہ ہندو قومیت کی دو قسمیں ہیں، منفی اور مثبت۔ منفی ہندو قومیت درجات کے فرق کے ساتھ محض مسلم مخالف جذبہ پر قائم ہے۔ مثبت ہندو قومیت کا تعلق ایک ہندو تشخص کے لیے اپیل کرنے پر ہے۔ مگر چوں کہ یہ تشخص ہندوؤں کے درمیان داخلی یکسانیت نہ ہونے کی وجہ سے غیر واقعی ہے اس لیے مثبت ہندو قومیت وجود میں آنے کے قابل نہیں۔ اس طرح جو چیز ممکن ہے وہ مطلوب نہیں اور جو چیز مطلوب ہے وہ ممکن نہیں :

There are two types of Hindu communalism: negative and positive. Negative Hindu communalism consists in being merely anti-Muslim in varying degrees: positive Hindu communalism consists in appealing in the name of a Hindu identity. But since this identity is very shadowy due to Hindu's lack of internal homogeneity, positive Hindu communalism is not viable. Thus what is possible is not desirable and what is desirable is not possible. (The Times of India, New Delhi, July 4, 1987)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندتو خود اپنے اندرونی مسائل میں اتنا زیادہ مشغول ہے کہ اس کے لیے بیرونی خطرہ بننا تقریباً ناممکن ہے۔ ہندتو بیرونی خطرہ صرف اس وقت بن سکتا ہے جب کہ مسلمان جوش اور ہنگامہ والی سیاست سے اس کو اینٹی مسلم احساس پر کھڑے ہونے کا موقع دے دیں۔ اگر مسلمان ٹکراؤ سے اعراض کی پالیسی اختیار کرلیں تو ہندتو اپنے قیام کی واحد بنیاد سے محروم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس کا جو انجام ہوگا اس کو لفظوں میں بتانے کی ضرورت نہیں۔

زندگی کا ایک محکم اصول یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ ایک بے معنی نعرہ لگا رہے ہوں تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان نعروں کو نظر انداز کر کے یہ دیکھیں کہ تاریخ کی طاقتیں کس طرف جا رہی ہیں۔ کیوں کہ زندگی میں بالآخر جو چیز باقی رہتی ہے وہ تاریخ کی طاقتیں ہیں نہ کہ کچھ غیر سنجیدہ لوگوں کے بولے ہوئے الفاظ۔

اس سلسلہ میں میں امریکہ اور کناڈا کی مثال دوں گا۔ ان ملکوں میں بھی، انڈیا کی طرح، مختلف کلچر پائے جاتے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد وہاں کچھ انتہا پسند لیڈر اٹھے۔ انھوں نے مختلف کلچر کو ختم کر کے ایک کلچر بنانے کی تحریک چلائی۔ اس تحریک کو عام طور پر یونی کلچرلزم (uniculturalism) کہا جاتا ہے۔ مگر یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر کار انھیں ماننا پڑا کہ ان کے ملک کے لیے قابل عمل چیز صرف متنوع کلچریت (multiculturalism) ہے نہ کہ واحد کلچر۔

یہی واقعہ یقینی طور پر انڈیا میں بھی ہونے والا ہے۔ واحد کلچر کا نعرہ لگانے والے یہاں ناکام ہو کر رہ جائیں گے اور آخر کار جو چیز باقی رہے گی وہ مختلف اور متنوع کلچر کا اصول ہے جو ہزاروں سال سے اس ملک میں موجود تھا اور آج بھی وہ پوری طرح موجود ہے۔ یہی تاریخ کا فیصلہ ہے۔

نئی دہلی میں ۲۵ جولائی ۱۹۹۳ کو ایک میٹنگ تھی۔ اس کی رپورٹ ٹائمس آف انڈیا ۲۶ جولائی میں چھپ چکی ہے۔ یہاں مختلف ہندو دانش وروں نے تقریریں کیں۔ ٹائمس آف انڈیا کے ایڈیٹر

دلیپ پیڈگاؤنکر (Dileep Padgaonkar) نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس دنیا میں ہر آدمی کی مختلف حیثیت ہوتی ہے۔ آپ اس قانون قدرت کو بدل نہیں سکتے۔ اس معاملہ میں ہمیں تنگ نظری کے بجائے وسعت نظری کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

انھوں نے کہا کہ میں مہاراشٹر میں پیدا ہوا۔ اب میں دہلی میں رہتا ہوں۔ وطن، زبان، مذہب، تہذیب، تعلیم ہر لحاظ سے میری مختلف حیثیتیں ہیں۔ اسی طرح تاریخ کے اعتبار سے میری مختلف حیثیت ہے۔ میری زندگی میں قدیم بھارتی عہد کا حصہ ہے۔ پھر میری زندگی پر مسلمانوں کے ہزار سالہ عہد کی چھاپ ہے۔ اس کے بعد برٹش عہد آیا۔ اس نے بھی میری زندگی پر اثرات ڈالے۔ اب میں آزاد انڈیا کا ایک فرد ہوں۔ یہ ساری چیزیں میری زندگی کا حصہ ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی میں اپنے سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس قسم کی تفصیلات بتاتے ہوئے انھوں نے مشہور انگلش رائٹر والٹ وھٹمین (Walt Whitman) کا قول دہرایا اور کہا کہ ہمیں ان تمام تضادات کے ساتھ جینا ہے۔ میں اتنا زیادہ وسیع ہوں کہ ان تمام تضادات کو اپنی زندگی میں سمو سکوں :

We all have to live with our contradictions. I am large enough to contain all these contradictions.

والٹ وھٹمین (۱۸۹۲-۱۸۱۹) کا یہ قول زندگی کی ایک حقیقت کو بتاتا ہے۔ انسان تضادات کا مجموعہ ہے اور تضادات سے نباہ کر کے ہی وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

انڈین کلچر اور انڈین ہسٹری کے مشہور عالم پنڈت بی این پانڈے (۸۸ سال) کا ایک انٹرویو ٹائمس آف انڈیا (۲۲ اگست ۱۹۹۳) میں چھپا ہے۔ ان سے یہ انٹرویو مسٹر ایس کالی داس نے لیا ہے۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ مشکل یہ ہے کہ آج کا ہندو تو ہمارے دھرم کی مقدس کتابوں سے بہت کم مناسبت رکھتا ہے۔ اتھروید میں ہے کہ یہ دیش کئی مذہبوں، کئی نسلوں، کئی ذاتوں، کئی زبانوں کا دیش ہے۔ اس کے اندر مزید یہ کہا گیا ہے کہ اس دیش کو مل کر رہنے کے لیے ایک اصول کو مان لینا چاہیے۔ وہ یہ کہ یہ سرزمین ہماری مادر وطن ہے اور ہم سب اس کی سنتان ہیں۔ اس طرح پانچ ہزار سال پہلے ہم اس اصول پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس دیس میں زبان، عقیدہ اور کلچر کے اختلاف کے باوجود ہم پُرامن طور پر ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے :

The trouble is that today's Hindutva has little in common with the Dharma of our scriptures. The Atharva Veda says: "This is a country of many religions, many ethnicities, many castes, many languages." It further says that to co-exist the people of this country must agree on one principle: "This land is our mother and all of us are her progeny." So even 5000 years ago we had agreed on the principles of peaceful co-existence in a clime of diversity in language, creed and culture.

انڈین کلچر کے بارہ میں یہی صحیح نقطۂ نظر ہے اور آخر کار ہمارے ملک میں یہی باقی رہنے والا ہے۔ انڈیا ماضی میں ملٹی کلچر کا ملک تھا، حال میں وہ ملٹی کلچر کا ملک ہے، اور مستقبل میں بھی وہ ملٹی کلچر کا ملک رہے گا۔ یہی تاریخ کا فیصلہ ہے۔ یہی عقل کا تقاضا ہے، اور اسی میں ملک کی ترقی کا راز چھپا ہوا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف نعرہ بازی ہے، نہ کہ کوئی واقعی نظریہ یا کوئی حقیقی سیاست۔

نئی کتابیں

مطالعۂ سیرت	قال اللہ و قال الرسول
اسباق تاریخ	اسلام ایک تعارف

توحید۔انسانیت کی منزل

زیر نظر شمارہ فروری ۱۹۹۹ میں ایک مضمون اس عنوان کے تحت شامل ہے "توحید انسانیت کی منزل" اس مضمون کو ۱۶ صفحات کے پمفلٹ کی صورت میں الگ سے شائع کیا جارہا ہے۔ اس کی قیمت فی کاپی 4.00 روپیہ ہوگی۔ اس پمفلٹ کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ مفت تقسیم کے لئے بڑی تعداد میں منگائیں ان کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔

شیطان کا فریب

مدنی دور کا ایک واقعہ حدیث کی مختلف کتابوں میں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک بار رات کے وقت مسجد سے گھر جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک خاتون تھیں۔ راستہ میں آپ کی ملاقات انصار کے دو مسلمانوں سے ہوئی۔ آپ نے انھیں بلایا اور کہا کہ یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ ان دونوں آدمیوں نے کہا کہ سبحان اللہ (کیا آپ کے بارے میں ہمیں شک ہو سکتا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان آدمی کے اندر خون کی گردش کی طرح دوڑتا ہے (فتح الباری بشرح صحیح البخاری ۴ / ۳۳۰)

حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت جلد شبہ میں پڑ جاتا ہے۔ وہ کسی کے بارے میں کچھ سنتا یا دیکھتا ہے تو شیطان اس میں آمیزش کر کے اس کو غلط رخ دے دیتا ہے۔ وہ ایک سادہ واقعہ کو قابل اعتراض واقعہ بنا دیتا ہے۔ کسی کے بارے میں اس قسم کی غلط فہمی بلاشبہ سخت گناہ ہے۔

اس گناہ سے بچنے کا حل یہ ہے کہ چیزوں کو ان کی ظاہری صورت (face value) پر نہ لیا جائے۔ اکثر حالات میں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات یا کوئی واقعہ اپنی ظاہری صورت میں جیسا معلوم ہوتا ہے، اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً مذکورہ واقعہ کو سادہ طور پر دیکھ کر ایک شخص یہ سوچ سکتا تھا کہ رسول اللہ رات کے وقت ایک اجنبی خاتون کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ آپ اس وقت اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تھے۔

آدمی کو چاہئے کہ وہ رائے قائم کرنے میں کبھی جلدی نہ کرے۔ کسی دیکھی یا سنی ہوئی بات کے بارے میں وہ اس وقت تک ہرگز کوئی رائے قائم نہ کرے جب تک تمام متعلقہ پہلوؤں سے وہ اس کی تحقیق نہ کر لے۔ اکثر بری رائے غلط فہمی پر مبنی ہوتی ہے اور اکثر غلط فہمی صرف شیطان کا فریب ہوتی ہے نہ کہ کوئی واقعی حقیقت۔

تصویر کا فتنہ

ایک مسلمان کی تصویر ایک کٹر ہندی اخبار میں چھپی۔ یہ اخبار مسلم دشمنی کے لئے مشہور ہے۔ اس تصویر کو لے کر کچھ مسلم نوجوان ایک مشہور دینی مدرسہ کے علماٗ کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تصویر ہمارے نزدیک قابل اعتراض ہے۔ آپ اس کے خلاف سخت فتویٰ دیجئے۔ مذکورہ علماٗ نے اس قسم کا فتویٰ دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ فتویٰ کسی ثابت شدہ فعل پر دیا جاتا ہے۔ اور کسی اخبار میں چھپی ہوئی تصویر کسی کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔

علماٗ کا یہ جواب بلا شبہ شریعت کے عین مطابق تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی ثابت شدہ فعل ہی پر کسی کے خلاف کوئی شرعی حکم لگایا جاسکتا ہے۔ اور تصویر سے یقینی طور پر کسی کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔

موجودہ زمانہ کیمرہ اور اخبار کا زمانہ ہے۔ کیمرہ کے ذریعہ ہر قسم کی تصویر لی جاسکتی ہے۔ مثلاً ایک شہر کا واقعہ ہے۔ کچھ مسلمان ایک جلوس کے ساتھ جارہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک مقامی مسلمان لیڈر بھی تھے۔ سڑک پر ایک جگہ انھیں اپنے جوتے کا فیتہ کسنے کے لئے رکنا پڑا۔ اتفاق سے اس کے قریب ایک چھوٹا سا مندر تھا جہاں ایک بت نصب تھا۔ مذکورہ لیڈر جس وقت جوتے کا فیتہ کسنے کے لئے جھکے ہوئے تھے عین اسی وقت ایک کیمرہ والے نے بت کا اینگل لے کر ان کا فوٹو لے لیا۔ اگلے دن ایک لوکل اخبار میں یہ فوٹو ان الفاظ کے ساتھ چھپا کہ ۔۔۔ فلاں مسلمان لیڈر ایک بت کے آگے جھکے ہوئے۔

اس قسم کی تصویر بالکل فرضی طور پر بھی بنائی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شریف خاتون کا واقعہ ہے۔ ایک دادا قسم کا نوجوان ان سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے خاتون کے باپ کے یہاں پیغام بھیجا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس نوجوان نے یہ کیا کہ خاتون کے یہاں کام کرنے والے ایک لڑکے کو کچھ پیسہ دیا۔ اس لڑکے نے مذکورہ خاتون کے

شناختی کارڈ سے ان کی تصویر نکالی اور لے جا کر اسے مذکورہ نوجوان کو دے دیا۔ اب مذکورہ نوجوان نے خاتون کی اس تصویر کو اپنی تصویر کے ساتھ ملا کر ایک مشترک فوٹو کھنچوایا اور پھر اس فوٹو کو لے کر مذکورہ خاتون کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔

فوٹو کے ذریعہ جھوٹے پروپیگنڈے کی سیاست موجودہ زمانہ میں بہت عام ہے۔ اخباروں میں اکثر اس طرح کے قصے آتے رہتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں کوئی بھی شخصیت اس قسم کے جھوٹے پروپیگنڈے کی زد سے محفوظ نہیں۔

فوٹو پر مبنی جھوٹا پروپیگنڈہ دو چیزوں کے ذریعہ ممکن ہوا ہے۔ ایک کیمرہ اور دوسرے اخبار۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اگر کیمرہ اور اخبار قدیم زمانہ میں موجود ہوتے تو انتہائی صالح قسم کے لوگ حتی کہ پیغمبر بھی نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ اس مکروہ سیاست سے شاید محفوظ نہ رہ پاتے۔

مثال کے طور پر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے سفر میں ایک بار شام کو ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ایک بزرگ کے بلانے پر ان کی غیر شادی شدہ صاحبزادی کے ساتھ چل کر وہ مذکورہ بزرگ کے گھر گئے۔ اگر اس وقت کیمرہ موجود ہوتا اور اخبار نکل رہے ہوتے تو ایک کیمرہ والا اس منظر کا فوٹو لے لیتا اور اگلے دن کے اخبار میں ایک تصویر چھپتی جس کے نیچے نعوذ باللہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہوتے۔۔۔ پیغمبر موسیٰ تنہا ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ۔

اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ تیرہ سال تک مکہ میں تھے۔ وہاں آپ کعبہ میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت وہاں ۳۶۰ بت تھے۔ یہ بت کسی بند بکس میں رکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ بیت اللہ میں ہر طرف نصب تھے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں بار بار رکوع یا سجدہ میں ہوتے تھے۔ اس وقت اگر وہاں کیمرہ اور اخبار موجود ہوتا تو ایک کیمرہ والا مخصوص اینگل سے آپ کا ایسا فوٹو لے سکتا تھا جس کے فوکس میں خدانخواستہ ایک بت بھی دکھائی دیتا۔ اس کے بعد اگلے دن کے اخبار

میں ایک تصویر چھپتی جس کے نیچے نعوذ باللہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہوتے کہ ۔۔۔ پیغمبر توحید ایک بت کے آگے جھکے ہوئے۔

جیسا کہ معلوم ہے ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہؓ بعض اتفاقی اسباب سے قافلہ کے پیچھے رہ گئی تھیں۔ بعد کو وہ ایک مسلم نوجوان کے ساتھ مدینہ آئیں۔ اس وقت اگر کیمرہ اور اخبار موجود ہوتے تو ایک کیمرہ والا اس منظر کا فوٹو لے لیتا اور پھر اگلے دن مدینہ کے اخبار میں ایک تصویر چھپتی جس کے نیچے نعوذ باللہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ۔۔۔ پیغمبر کی نوعمر بیوی ایک اجنبی نوجوان کے ساتھ۔

اس قسم کے جھوٹے تصویری افسانے کسی بھی شخص کے خلاف بنائے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا اسماعیل شہید قدیم دہلی میں رہتے تھے۔ وہ اپنے وعظ کے لئے مشہور تھے۔ ایک بار دہلی کی طوائفوں کی طرف سے انہیں پیغام ملا کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں اور ہم کو وعظ فرمائیں۔ شاہ اسماعیل شہید نے اس دعوت کو قبول فرمالیا۔ وہ وہاں گئے اور سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر کے دروازے پر پہنچے اور وہاں کھڑے ہو کر وعظ فرمایا۔ پھر واپس آگئے۔ اگر اس زمانہ میں کیمرہ ہوتا تو جب وہ وہاں کی سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے اس وقت کوئی کیمرہ والا اس منظر کا فوٹو لے لیتا اور پھر اگلے دن دہلی کے اخبار میں ایک تصویر چھپتی جس کے نیچے نعوذ باللہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ۔۔۔ مولانا شاہ اسماعیل صاحب طوائف کے کوٹھے پر چڑھتے ہوئے۔

اس قسم کے تصویری پروپیگنڈے موجودہ زمانہ میں بہت زیادہ عام ہیں۔ اکثر بے بنیاد افواہیں جھوٹی تصویروں کی مدد سے پھیلائی جاتی ہیں۔ ایسی مثالیں ہندستان میں بھی بار بار پیش آئی ہیں اور باہر کے ملکوں میں بھی۔

مجھے خود بھی متعدد بار اس قسم کے تصویری پروپیگنڈے کا تجربہ پیش آیا ہے۔ ایک بار میں نے ایک عرب پرچے میں بیت المقدس (قبۃ الصخرا) کی تصویر دیکھی۔ اس تصویر میں نظر

آرہا تھا کہ اسرائیلی فوجی بندوق کے ساتھ قبۃ الصخرا کے قریب دونوں طرف کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاؤں زمین پر تھے اور سر گنبد کے اوپر تک پہنچے ہوئے تھے۔

بظاہر یہ ایک سچا فوٹو دکھائی دیتا تھا۔ مگر جب میں نے گہرائی کے ساتھ غور کیا تو یہ فوٹو غیر فطری نظر آیا کیونکہ ایسا واقعہ صرف اس وقت ممکن تھا جب کہ ان اسرائیلی فوجیوں کا قد تاڑ کے برابر ہو۔ اصل یہ ہے کہ اسرائیلی فوجیوں کی یہ تصویر کاٹ کر قبۃ الصخرا کی تصویر کے ساتھ چپکائی گئی تھی۔ اور پھر اس مصنوعی تصویر کا فوٹو لے کر اس کو میگزین میں چھاپا گیا تھا۔

اس کے بعد جب میں فلسطین گیا اور مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرا کو دیکھا تو میرے قیاس کی تصدیق ہو گئی۔ وہاں میں نے پایا کہ قبۃ الصخرا کے کمپاؤنڈ میں اندر کوئی اسرائیلی فوجی نہیں رہتا۔ اسرائیلی فوجی صرف گیٹ کے باہر ہوتے ہیں۔ اور باہر کھڑے ہوئے ان اسرائیلی فوجیوں کے قد یقینی طور پر عام انسانی قد کے مانند تھے نہ کہ تاڑ کے درخت کے مانند۔

تصویری پروپیگنڈے کی یہ قسم دوسروں کے لئے صرف ایک جھوٹی سیاست ہے مگر مسلمانوں کے لئے وہ مزید اضافہ کے ساتھ ایک ناقابل معافی گناہ۔

ایک انٹرویو

۷ دسمبر ۱۹۹۸ کو کانسٹی ٹیوشن کلب (نئی دہلی) میں ایک سمینار تھا۔ اس کا انتظام سارک سٹی زن فورم (SAARC Citizens Forum) کی طرف سے کیا گیا تھا۔ یہاں ۷ دسمبر کی شام کو پی ٹی آئی (پریس ٹرسٹ آف انڈیا) کے نمائندہ کے جی سورش نے راقم الحروف سے ملاقات کی اور ایک انٹرویو لیا۔ ان کے سوالات کا تعلق زیادہ تر وندے ماترم کے اشو سے تھا۔ (Tel- 3718713-3717642) انھوں نے سوال کیا کہ آج کل وندے ماترم کا اشو میڈیا میں بہت زیادہ آرہا ہے۔ کچھ لوگ اس کے موافق ہیں اور کچھ لوگ اس کے مخالف۔ اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔

میں نے کہا کہ اس معاملہ میں پہلی بات یہ ہے کہ غیر خدا کی پرستش اسلام میں جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ معاملہ اتنا زیادہ بڑھ گیا۔ اپنے اس عقیدہ کی بنا پر مسلم مائنڈ وندے ماترم کو کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ اس نظم میں بھارت کو معبود کا درجہ دے کر اس کے لئے پرستش کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔

ان کے ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ وطن کی پوجا اور وطن کی محبت دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ وطن کی محبت ایک فطری چیز ہے اور وہ بلاشبہ اسلام کے مطابق ہے۔ ہر انسان کو اپنے وطن سے محبت ہوتی ہے اور اسی طرح مسلمانوں کو بھی اپنے وطن سے محبت ہے۔ مگر جہاں تک وطن کی پوجا کا تعلق ہے، وہ اسلام کے مطابق نہیں۔ میں نے کہا کہ وطن کی پرستش ایک مخصوص مذہبی عقیدہ ہے، حب الوطنی سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ اس قسم کا مذہبی عقیدہ ایک انفرادی معاملہ ہے، وہ پورے ملک کا اجتماعی معاملہ نہیں۔ اس لئے اس عقیدہ کو حب وطن کے معاملہ سے الگ رکھنا چاہیے۔

سوال

میں نے کئی مذہبوں کو پڑھا ہے۔ میرا ماننا یہ ہے کہ سب مذہب ایک ہیں۔ سب مذہب ایک ہی سچائی کی طرف جاتے ہیں۔ آج کل لوگوں میں یہ سوچ آگئی ہے کہ میرا ہی مذہب اچھا اور سچا ہے۔اس کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔اگر یہ مان لیا جائے کہ سب مذہب یکساں ہیں تو تمام جھگڑے اپنے آپ مٹ جائیں گے۔اس بارے میں اپنی رائے دیں (گوپال شرما، نئی دہلی)

جواب

سب مذہب ایک ہیں کا نظریہ ایک غیر علمی اور غیر واقعی نظریہ ہے۔ کیونکہ مذہبوں کے درمیان اختلاف ایک واضح حقیقت ہے۔ مثال کے طور پر اسلام میں خالق اور مخلوق کی علیحدگی کا تصور ہے، جب کہ ہندو دھرم میں دونوں کو ایک مانا جاتا ہے، اسی کا نام ادویت واد ہے۔ اسی طرح اسلام میں پیغمبر کا تصور ہے اور ہندو دھرم میں خدائی اوتار کا تصور۔ اسلام میں موت کے بعد سزا اور جزا کا تصور ہے اور ہندو دھرم میں آواگمن کا تصور، وغیرہ۔ جہاں تک سماجی اتحاد کا معاملہ ہے، اس کا کوئی تعلق مذہبی اتحاد سے نہیں۔ ساری تاریخ بتاتی ہے کہ بار بار ایک مذہب کے لوگ آپس میں لڑتے رہے ہیں مثلاً کوروا اور پانڈو دونوں ہندو تھے۔ اس کے باوجود ان میں زبردست جنگ ہوئی۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگ میں عیسائی قومیں ایک دوسرے کے خلاف لڑیں۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کی ۱۹۷۱ کی جنگ یا افغانستان کی موجودہ جنگ میں دونوں فریق مسلمان ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اختلاف ایک فطری چیز ہے، وہ زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ اختلاف انسانوں کے درمیان ہر حال میں باقی رہتا ہے، وہ کسی بھی صورت میں ختم نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں اتحاد اور امن کی حقیقی بنیاد صرف ایک ہے، اور وہ ہے اسپرٹ آف ٹالرینس۔ ہمیں لوگوں کے اندر ٹالرینس اور باہمی احترام کا مزاج پیدا کرنا چاہئے۔ نہ کہ بے فائدہ طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ تمام مذاہب ایک ہیں۔ انسانوں کے درمیان اتحاد کا تعلق خود انسان کے اپنے مزاج سے ہے نہ کہ کسی قسم کے خارجی نظریہ سے۔

سوال

کہا جاتا ہے کہ ہندستان کے اسلامی مدرسوں میں تشدد اور علیحدگی پسندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح وہ ملک میں منفی رول ادا کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ان مدرسوں کو باقی رکھنے کا کیا جواز ہے (محمد عمران، راشٹریہ سہارا، دہلی)

جواب

یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ملک میں تشدد پسندی اور علیحدگی پسندی کا رجحان ہے مگر وہ زیادہ تر سیاسی لیڈروں کا پیدا کردہ ہے، ان کا مدرسوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ان مدرسوں میں دین اور اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان مدرسوں میں ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہیں جو اصول پسند اور باکردار ہوں۔ اور اسی کے ساتھ وہ سماج میں مارل ٹیچر بن کر رہ سکیں۔ میں خود مدرسہ کے اسی تعلیمی نظام کی پیداوار ہوں۔ اور میں پورے اعتماد کے ساتھ اس قسم کے الزام کی تردید کر سکتا ہوں۔ سیاست اور ٹی وی یہ دو چیزیں لوگوں کے کردار کو بری طرح تباہ کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں مدرسہ کے نظام کو مزید طاقتور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ موجودہ اخلاقی بگاڑ کے سیلاب کو روک سکیں۔

سوال

ھدایہ کا ایک جزئیہ ہے "قتال الکفار واجب وان لم یبدونا" (کفار سے قتال واجب ہے اگرچہ وہ ہم سے قتال کی ابتدا نہ کریں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان تعلق کی دائمی نسبت محاربہ کی ہے۔ اور اہل کفر سے اہل ایمان کو جنگ کرنا مطلقاً واجب ہے۔ اسی طرح کی بات امام ابن القیم نے زاد المعاد میں جہاد کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے، اور سید قطب شہید نے اپنی مشہور کتاب معالم فی الطریق میں اسی کو بنیاد بنا کر ایک لمبی بحث لکھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات علمی اور شرعی طور پر ثابت ہے (غطریف شہباز ندوی، ابوالفضل انکلیو نئی دہلی)

جواب

دائمی محاربہ کا نظریہ نہ قرآن کی کسی براہ راست نص میں ہے اور نہ حدیث میں۔ وہ تمام تر کچھ فقہا اور علماء کے قیاس پر مبنی ہے۔ اور دائمی محاربہ جیسا سنگین مسئلہ صرف نص صریح سے ثابت ہونا چاہئے نہ کہ قیاس سے۔ مثال کے طور پر قرآن میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کفار و مشرکین جب تک تم سے سیدھے (پرامن) رہیں تم بھی ان سے سیدھے (پرامن) رہو (التوبہ ۷) قرآن کی یہ آیت واضح طور پر مذکورہ نظریہ سے ٹکراتی ہے۔ اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ سے عافیت مانگو (لاتتمنوا لقاء العدو واسالوا الله العافية) یہ حدیث بھی واضح طور پر مذکورہ نظریہ کی تردید ہے۔ مزید یہ کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تم سے آسانی چاہتا ہے (البقرہ ۱۸۵) اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ دین آسان ہے (الدین یسر) مگر مذکورہ نظریہ دین کو نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن بنا دیتا ہے۔ اس کی ایک جدید مثال کمیونزم ہے۔ اس کو بھی ابدی محاربہ کے نظریہ پر قائم کیا گیا تھا مگر تقریباً سو سال کے تجربہ کے بعد وہ مکمل طور پر ناکام ہو گیا۔ اگر ابدی محاربہ اسلام کا حکم ہو تو یہ نعوذ باللہ اسلام کو غیر ابدی قرار دینے کے ہم معنی ہو گا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے اس دنیا میں صرف دو میں سے ایک کا انتخاب ہے۔۔۔ ہلاکت یا منافقت۔ یعنی یا تو وہ ساری دنیا میں غیر مسلم قوموں سے لڑ کر اپنے کو ہلاک کرتے رہیں یا ابدی محاربہ کا عقیدہ رکھتے ہوئے ظاہری طور پر مصالحت کی روش اختیار کر لیں جس کا دوسرا نام منافقت ہے۔

سوال

آپ نے اپنی متعدد تحریروں میں تقسیم ہند کو ایک غلط فیصلہ قرار دیا ہے۔ آپ کے نزدیک تقسیم ہند کی تحریک نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے بیچ مطلوب دعوتی تعلق کو نقصان پہنچایا ہے۔ دونوں قومیں اسی تحریک کے باعث ایک دوسرے سے نفرت کرتی ہیں۔ ہم یہ بات تسلیم کر سکتے ہیں

لیکن سوال یہ ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے کے پچاس سال بعد اس بحث کا فائدہ کیا ہے۔ کیا تاریخ کے پہیہ کو الٹا گھمایا جاسکتا ہے (طالب محسن، لاہور)

جواب

پاکستان کے بیشتر لکھنے اور بولنے والے بنگلہ دیش پر اور بنگلہ دیش کی قیادت پر تنقید کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ نہیں کہ بنگلہ دیش کے معاملہ میں "تاریخ کے پہیے کو الٹا گھمایا جائے۔" اس قسم کی تنقیدوں کا مقصد صرف اس ذہنیت پر تنقید ہوتا ہے جس نے بنگلہ دیش کو بنوایا۔ اسی طرح پاکستان کے بارے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد بھی تقسیم اور تفریق کی ذہنیت پر تنقید ہے نہ کہ تاریخی معنوں میں وجود پاکستان پر تنقید۔ آج یہ صورت حال ہے کہ دنیا کے جس ملک میں بھی مسلمان اس کے کسی خطہ میں اکثریت رکھتے ہیں وہاں وہ مرکزی لیڈر شپ سے ٹکراؤ کر کے اپنا علیٰحدہ مسلم پاکٹ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ ذہنیت میرے نزدیک اسلامی روح کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام پھیلاؤ کو پسند کرتا ہے نہ کہ سمٹنے کو۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی قوموں کو خدا کے سایۂ رحمت میں لایا جائے نہ کہ ان کو غیر قوم قرار دے کر ان سے جدائی اختیار کر لی جائے۔

سوال

مسلمانوں کے اندر باہمی مسلکی جھگڑے کیا اپنی جہالت کی وجہ سے ہیں یا اس کے لئے غیر قوموں کی طرف سے ہوا دی جاتی ہے۔ یعنی یہ صورت حال مسلمانوں کی کسی داخلی کمزوری کا نتیجہ ہے یا وہ اغیار کی سازش کا نتیجہ ہے (عبد الملک المظاہری، حیدر آباد)

جواب

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ تمہارے اوپر جو مصیبت بھی آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے (الشوریٰ ۳۰) اس کے مطابق ہمیں ہر مصیبت یا افتاد کا سبب خود اپنی کمزوریوں کو

سمجھنا چاہئے نہ کہ اغیار کی مخالفانہ کارروائیوں کا نتیجہ۔ یہ دنیا مسابقت کی دنیا ہے، اس لئے یہاں مسلمانوں کے خلاف سازشیں بھی ضرور ہوں گی۔ ایسا ہونا بالکل فطری ہے۔ مگر اس کا حل دوسروں سے لڑنا نہیں ہے بلکہ اس کا حل قرآن کے مطابق، یہ ہے کہ خود اپنے اندر تقویٰ اور صبر کی طاقت پیدا کی جائے۔ صبر اور تقویٰ ہر سازش کے خلاف یقینی ڈھال ہے (آل عمران ۱۲۰)

سوال

آپ کی تحریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ آپ شعوری یا لاشعوری طور پر تصوف کے نظریہ وحدت شہود کے قائل ہیں۔ کیا آپ غیر مسلموں کو اسلام کے قریب لانے کے لئے اس نظریہ کی وقتی ضرورت اور مصلحت کے تحت قائل ہیں یا یہ کہ باقاعدہ اسے ایک ابدی نظریہ اور حقیقت سمجھتے ہیں۔ (محمد اورنگ زیب صالح، اوکاڑی، پاکستان)

جواب

وحدت وجود اور وحدت شہود دونوں ہی نظریہ کو میں غلط سمجھتا ہوں۔ میں نے کبھی اپنی تحریروں میں ان کی تائید نہیں کی، نہ وقتی اور نہ مستقل۔ یہ دونوں نظریات لفظی فرق کے باوجود حقیقۃً ایک ہیں۔ وحدت وجود کا مطلب سادہ طور پر یہ ہے کہ تمام موجودات خدا کا جزء ہیں، اور وحدت شہود کا مطلب یہ ہے کہ تمام موجودات خدا کا مظہر ہیں۔ ان دونوں میں کوئی حقیقی فرق نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں کو خدا نے اپنے حکم سے پیدا کیا ہے۔ خالق الگ ہے اور مخلوق الگ۔ دونوں کے درمیان کوئی وجودی اشتراک نہیں۔

سوال

میں الرسالہ کا قاری ہوں اور آپ جو کام کر رہے ہیں اس کا قدرداں ہوں۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ ہمارے ملک میں زیادہ پڑھے لکھے لوگ نہیں ہیں۔ ایسی حالت میں رسالہ اور کتاب کے ذریعہ ان لوگوں تک دعوت نہیں پہنچائی جاسکتی۔ ہمیں ایسی کوئی ترکیب عمل میں لانا چاہئے کہ

ایسے لوگوں تک بھی دعوت کا پیغام پہنچ سکے۔ (سید عبد الحفیظ، بھڑ گاؤں، جل گاؤں)

جواب

ہر زمانہ کی طرح آج بھی مسلمانوں میں خواص اور عوام دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس وقت دونوں ہی طبقوں میں اسلامی دعوت کا کام جاری ہے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے، تبلیغی جماعت ان کے درمیان وسیع اور موثر کام کر رہی ہے۔ اور ماشاءاللہ اس کے مثبت نتائج بھی نکل رہے ہیں۔ ہم نے اصلاً خواص کے طبقہ کو اپنا نشانہ بنایا ہے۔ پچھلے پچیس سال کی کوشش کے نتیجہ میں آج یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواص کے طبقہ میں اسلام کا پیغام وسیع پیمانہ پر پہنچ رہا ہے۔ اور اس کے مثبت نتائج بھی واضح طور پر نکل رہے ہیں۔ اس تحریک کے نتیجہ میں نہ صرف ہندستان بلکہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں لوگوں کو از سر نو اسلام کی صداقت پر یقین حاصل ہوا ہے۔ پچھلے چند برسوں سے ہندستان کے مسلمانوں میں احتجاج اور ٹکراؤ کا مزاج بڑی حد تک ختم ہو گیا ہے۔ اب وہ تعلیم اور تجارت جیسے تعمیری شعبوں میں سرگرم ہو رہے ہیں۔ یہ بھی سب سے زیادہ الرسالہ تحریک کا نتیجہ ہے۔ الرسالہ تحریک اگرچہ براہ راست طور پر تعلیم یافتہ طبقہ تک پہنچتی ہے مگر یہ تعلیم یافتہ لوگ اپنے اپنے حلقہ میں عوام تک بھی اس تعمیری آواز کو پہنچانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

سوال

ماہنامہ الرسالہ کا میں ایک ریگولر ریڈر ہوں۔ اور اس کو پسند کرتا ہوں۔ مگر کبھی کبھی آپ نزاعی معاملات میں پڑ جاتے ہیں جو آپ کو نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً بابری مسجد، وندے ماترم جیسے اشو میں پڑ کر آپ نے اپنے کو متنازعہ شخصیت بنالیا۔ یہ آپ کے مثبت مشن کے لئے مفید نہیں (شفیع الدین احمد، دہلی)

جواب

کوئی بھی شخص جو اجتماعی تحریک چلائے، اس کے لئے نزاع سے بچنا ممکن نہیں۔ نزاع آپ کے اندر نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسروں کے دماغ میں ہوتی ہے۔ اور وہ اس کو آپ کے ساتھ منسوب کر کے غیر

ضروری طور پر نزاعی بنادیتے ہیں۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی محتاط ہو، وہ ایسے لوگوں کے زبان و قلم سے بچ نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی اعتدال پسندی اور غیر اختلافی روش کے لئے مشہور ہیں۔ مگر ان کے بارے میں بھی متعدد بار اخبار میں اس قسم کی باتیں آتی رہی ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال ہفت روزہ نئی دنیا (دہلی) کے شمارہ ۱۔۷ دسمبر ۱۹۹۸ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس میں ایک مسلم رہنما مولانا موصوف کے ایک بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے کیا مطلب نکالا جائے کہ مولانا علی میاں اندر ہی اندر سازش کر رہے ہیں اور ایسے بیانات دے کر بی جے پی کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں..... اور یہ کہ مولانا علی میاں اس سازش کو سمجھنے میں ناکام رہے اور مسلمانوں کو غلط مشورہ دے دیا ہے جس کی میں مکمل طور پر مخالفت کرتا ہوں..... مولانا علی میاں کا بیان بی جے پی کے مقصد کو پورا کردے گا..... میں مولانا علی میاں کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں کرتا ہوں کیونکہ اس سے وشوہندو پریشد اور بی جے پی کی مسلمانوں کو تعلیم سے دور کرنے کی سازش کامیاب ہو جائیگی ..... میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ انھوں نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی ہے جو مسلمانوں کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگی (صفحہ ۵) اسی صورت حال کے بارے میں ایک عربی شاعر نے کہا تھا۔

قیل ان الالہ ذوولد　　قیل ان الرسول قد کھنا

مانجا اللہ والرسول معاً　　من لسان الوریٰ فکیف انا

جہاں تک متنازعہ شخصیت کا تعلق ہے تو یہ سراسر ایک اضافی بات ہے۔ تاریخ کے تمام بڑے رہنما اپنے زمانہ میں متنازعہ شخصیت تھے اور بعد کے زمانہ میں مسلّمہ شخصیت۔ ابو حنیفہ، فخر الدین الرازی، ابن تیمیہ اپنے معاصرین کی نظر میں متنازعہ شخصیت تھے۔ مگر بعد والوں کی نظر میں وہ امام بن گئے۔ ہندستان میں شاہ ولی اللہ، سر سید، سید حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اپنے زمانہ میں متنازعہ شخصیت بن گئے تھے۔ معاصرین کی نظر میں متنازعہ شخصیت بننا اس بات کی پیشگی اطلاع ہے کہ مستقبل میں اس کو یقینی طور پر غیر متنازعہ شخصیت کا مقام ملنے والا ہے۔

خبر نامہ اسلامی مرکز۔۱۳۸

۱۔ نومبر ۱۹۹۸ کے پہلے اور دوسرے ہفتہ میں دبئی میں کتابوں کی ایک بڑی نمائش ہوئی۔ اس میں اسلامی مرکز کا بک اسٹال لگایا گیا۔ لوگوں نے بڑی تعداد میں کتابیں حاصل کیں اور کہا کہ ایسا مقامی انتظام کیجئے کہ دوبئی میں یہ کتابیں برابر ملنے لگیں۔

۲۔ نئی دہلی کے آئی میگزین (spicmacay sciety) کے نمائندہ مسٹر سنگھتا سنگھ نے یکم نومبر ۱۹۹۸ کو اپنے میگزین کے لئے صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اسلام سے تھا۔ ایک سوال یہ تھا کہ اسلام میں کٹرپن کیوں ہے۔ جواب میں کہا گیا کہ اسلام میں کٹرپن نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اسلام نرمی اور اعتدال کا دین ہے۔ اور یہ کہ اہل اسلام کو دوسروں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ کوئی شخص اگر اسلام کے نام پر کٹرپن دکھائے تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔

۳۔ سری دھنوم جے داس چیریٹیبل ٹرسٹ (چترنجن پارک نئی دہلی) کے تحت ۴ نومبر ۱۹۹۸ کو ایک سیمینار ہوا۔ اس کا موضوع اخلاقیات تھا۔ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے مذہب کی روشنی میں اخلاق کی اہمیت بتائی۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور اسلام اور اخلاقیات کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام میں اخلاقیات اتنی زیادہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔ اسی طرح اس موضوع سے متعلق پیغمبر اسلام کی اور بہت سی حدیثیں بیان کیں۔

۴۔ ۷ نومبر ۱۹۹۸ کو اپسرا آرٹ سنٹر (نئی دہلی) میں ایک اجتماع تھا۔ اس کا موضوع اسلام میں جہاد کا تصور تھا۔ اس میں دہلی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوؤں نے شرکت کی۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور موضوع پر اظہار خیال کیا۔ ایک سوال کے

جواب میں انھوں نے کہا کہ جہاد دراصل پر امن جدوجہد کا نام ہے نہ کہ تشدد کا۔ آپ کو چاہئے کہ جہاد کے تصور کو قرآن وحدیث سے سمجھیں نہ کہ کسی شخص کے رویہ سے۔

۵۔ دہلی کے انگریزی اخبار راشٹریہ سہارا کے نمائندہ، مسٹر عمران نے ۱۲ نومبر کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستان میں اور خاص طور پر مسلمانوں میں تعلیم کے سوال کے مسئلہ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مسلمانوں میں مدرسہ کا جو نظام ہے وہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ نہیں ہے بلکہ وہ اس میں مددگار عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مدرسے ملک کو مارل ٹیچر فراہم کر رہے ہیں جس کی ملک کو شدید ضرورت ہے۔

۶۔ سنسکرت اکیڈمی دہلی کی طرف سے ۱۲ نومبر کو ذاکر حسین کالج (دہلی) میں ایک اجتماع ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام ایک عالمی مذہب ہے۔ وہ زبانوں سے پرہیز نہیں سکھاتا۔ چنانچہ مسلمانوں نے دنیا بھر کی زبانیں سیکھیں اور بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیئے۔ حتی کہ تاریخ کو نئے علمی دور میں داخل کر دیا۔

۷۔ آرٹ سنٹر (نئی دھلی) میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۸ کو ایک اجتماع ہوا۔ اس کا موضوع روحانیت تھا۔ اس کے بنیادی اسپیکر دو تھے ڈاکٹر کرن سنگھ اور صدر اسلامی مرکز۔ صدر اسلامی مرکز نے اپنی تقریر میں اسلام اور روحانیت کے موضوع پر گفتگو کی۔ آخر میں حاضرین کی طرف سے اسلام کے بارے میں کئی سوالات کئے گئے جس کا انھوں نے جواب دیا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ اسلام کا مقصد اصلاً فرد کا تعمیر و تزکیہ ہے۔ اسلام میں مدافعانہ جنگ ہے مگر جارحانہ جنگ کی اسلام میں اجازت نہیں۔

۸۔ ہندی ہفتہ وار جن چیتنا (دہلی) کے ایڈیٹر رام گوپال سسودیا نے ۱۲ دسمبر کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق اسلام اور مسلمانوں سے تھا۔ ایک سوال کے

جواب میں کہا گیا کہ اسلام کبھی نفرت کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ اسلام کا پیغام ساری انسانیت کے لئے ہے اور جو دین ساری انسانیت کو خطاب کرتا ہو وہ کبھی نفرت کی تعلیم نہیں دے گا کیوں کہ نفرت اس کے مشن کے راستہ میں رکاوٹ ہے۔

۹۔ زی ٹی وی (دہلی) میں ۲۲ دسمبر ۱۹۹۸ کو ایک پینل ڈسکشن تھا۔ مسٹر ٹی این سیشن نے اس کو کنڈکٹ کیا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی۔ موضوع یہ تھا کہ کیا اقلیت اس ملک میں ڈر محسوس کرتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ انڈیا میں مسلمانوں کے لئے بہت سی قابل شکایت باتیں ہیں مگر یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلمان اس ملک میں ڈر کی نفسیات کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ایمان کی جو طاقت ہے وہ ان کو ڈر سے بچاتی ہے۔ البتہ ان کو شکایت ضرور ہے۔ مسٹر ونے کٹیہار (فاؤنڈر پریسیڈنٹ بجرنگ دل) نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس دیش میں کوئی ڈر کی بات نہیں۔ صدر اسلامی مرکز نے جواب دیا کہ اس کا کریڈٹ آپ کو نہیں جاتا بلکہ مسلمانوں کو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ نے تو ڈرانے کی پوری کوشش کی مگر وہ ڈرے نہیں۔ خود جہاں تک آپ کا تعلق ہے تو آپ نے تو اجودھیا میں گھس کر بابری مسجد کو توڑ دیا جب کہ اس کا کیس عدالت میں تھا۔ مسلمان صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ دستور اور قانون کے مطابق معاملہ کیا جائے۔

۱۰۔ ایک کتاب زیر تیاری ہے۔ اس کا نام ہندو مسلم ڈائیلاگ ہوگا۔ اس کتاب میں ڈائیلاگ کے روپ میں ان تمام عقائد اور اعمال پر بحث ہوگی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان عرصہ سے اختلافی شکل میں چلے آرہے ہیں۔ اس ڈائیلاگ کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے درمیان جو غلط فہمیاں ہیں وہ دور ہوں اور اسلام کی صداقت دلائل کے اسلوب میں واضح ہو۔

نئی کتابیں

مولانا وحید الدین خاں، صدر اسلامی مرکز نے حال میں تین اہم کتابیں تیار کی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں ـــــ انسانیت کی تعمیر میں اسلام کا حصہ (۵۰ صفحات) ہندستان کی منزل (۵۰ صفحات) اور تعمیر ہند (۵۰ صفحات) یہ تینوں کتابیں زیر طبع ہیں اور انشاءاللہ جلد ہی شائع ہو جائیں گی۔ ان تینوں کتابوں میں اسلام کے انقلابی پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور ہندستانی مسلمانوں کے تخلیقی رول پر گفتگو کی گئی ہے۔ ان میں خالص حقائق و واقعات کی روشنی میں دکھایا گیا ہے کہ ہندستان کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم تاریخی رول مقدر ہے۔ مسلمانوں کے پاس اسلام کی صورت میں ایک صحیح آئیڈیالوجی ہے اور اسی کے ساتھ ایک مکمل تاریخی نمونہ بھی۔ اس طرح وہی اس پوزیشن میں ہیں کہ اس خطۂ ارض میں کوئی بڑا تعمیری رول ادا کریں اور ہندستان کو ایک بہتر مستقبل کی طرف لے جائیں۔ ہندستان کے مسلمان اس ملک کے لئے کوئی بوجھ (liability) نہیں ہیں بلکہ وہ پورے معنیٰ میں ملک کے لئے ایک اثاثہ (asset) ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت انشاءاللہ مسلمانوں کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا کرے گی۔ وہ اپنے آپ کو اس ملک میں اقدامی پوزیشن میں محسوس کریں گے نہ کہ مدافعانہ پوزیشن میں۔ یہ تینوں کتابیں اس حدیث رسول کی تشریح کرتی ہیں جس میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ میری امت کا ایک حصہ ہندستان میں غزوہ (اصلاحی اور تعمیری جدوجہد) کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے آگ کے عذاب سے نجات دے دی ہے۔ زیر نظر الرسالہ کا مضمون ''توحید۔ انسانیت کی منزل'' مذکورہ کتاب ہی کا ایک باب ہے۔

مصنف کی تحریریں مسلسل پڑھنے کے لئے

ماہنامہ الرسالہ کا مطالعہ کیجئے

اسلام کی فطری دعوت اور اس کے ابدی
پیغام کو جدید اسلوب میں سمجھنے کے لئے
الرسالہ اپنی نوعیت کا واحد جریدہ ہے

AL-RISALA BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333
e-mail: risala.islamic@axcess.net.in

Finest collection of books on Islam

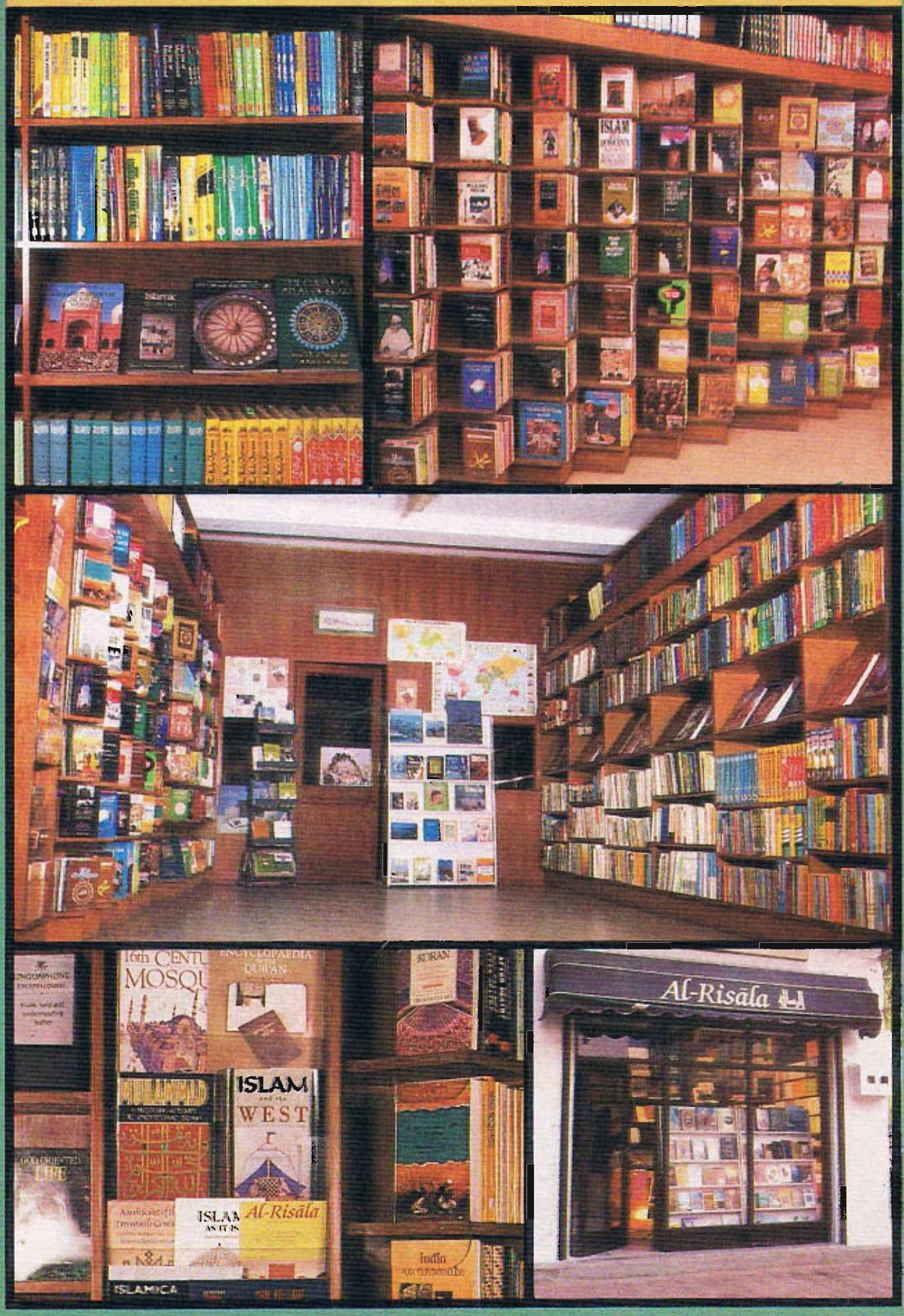

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013

Tel. 4611128 Fax 4697333